سلسلۂ اصلاح وتربیت ۵

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی:

قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰىهَا ۙ﴿۹﴾ وَ قَدۡ خَابَ مَنۡ دَسّٰىهَا ؕ﴿۱۰﴾ (الشمس)

مُظلماتِ باطنی

(قلب میں اندھیرا پیدا کرنے والے اعمال)

- زیادہ کھانے کی ہوس
- شہوانی تقاضوں میں انہماک
- زیادہ بولنے کی فکر
- غصہ اور تیزی
- کینہ اور حسد
- بخل و کنجوسی
- تکبر وخوش فہمی
- مرتبوں اور شہرت کی محبت
- مال و دولت کی محبت
- دکھاوا اور خود پسندی

مُرتّب

مولانا محمد عبد القوی

ناظم ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد

ناشر

ادارہ اشرف العلوم ٹرسٹ حیدرآباد

سلسلۂ مطبوعات ۷۱

برکات بکڈپو Barakaath Book Depot

سلسلۂ
اصلاح وتربیت
۵

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی :
قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَکّٰىہَا ۝۹ وَقَدۡ خَابَ مَنۡ دَسّٰىہَا ۝۱۰ (الشمس)

مُظلماتِ باطنی

(قلب میں اندھیرا پیدا کرنے والے اعمال)

- زیادہ کھانے کی ہوس
- شہوانی تقاضوں میں انہماک
- زیادہ بولنے کی فکر
- غصہ اور تیزی
- کینہ اور حسد
- بخل و کنجوسی
- تکبر و خوش فہمی
- مرتبوں اور شہرت کی محبت
- مال و دولت کی محبت
- دکھاوا اور خود پسندی

مُرتّب
مولانا محمد عبدالقوی
ناظم ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد

ناشر
ادارہ اشرف العلوم ٹرسٹ حیدرآباد
سلسلۂ مطبوعات
۷۱
برکات بکڈپو
Barakaath Book Depot

فہرست مشمولات

نمبر شمار	عناوین		صفحہ نمبر
۞	تقریظ گرامی: طبیب الامۃ حضرت حکیم کلیم اللہ صاحب مدظلہ العالی		۳
۞	تقریظ گرامی: حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب مدظلہ العالی		۴
۞	تقریظ گرامی: حضرت شاہ جمال الرحمٰن صاحب مفتاحی مدظلہ العالی		۵
۞	تقریظ گرامی: محترم ومکرم مولانا یحییٰ نعمانی صاحب زید فضلہٗ		۷
۱	تقدیم	پیش گفتار	۱۱
۲	شھوت البطن	پیٹ کے بے جا تقاضے	۱۴
۳	شھوۃ الفرج	شرم گاہ کے بے جا تقاضے	۲۳
۴	شھوۃ العین	بدنگاہی و بے حجابی	۳۶
۵	الکبر و العجب	تکبر و غرور	۴۶
۶	الغیظ و الغضب	غُصّے کے بے جا تقاضے	۵۸
۷	البغض و الحسد	عداوت وحسد	۶۷
۸	الشح و البخل	بخل و کنجوسی	۷۸
۹	حب الجاہ و الشھرۃ	شہرت ومنصب کی ہوس	۸۷
۱۰	حب الدنیا و المال	دنیا اور مال کی حرص	۹۴
۱۱	الریاء و السمعۃ	ریاکاری وخودفریبی	۱۰۴
۱۲	آفات اللسان	زبان کی آفتیں	۱۱۳

تقریظ گرامی: محسنی و مشفقی طبیبُ الامت حضرت حکیم کلیم اللہ صاحب مدظلہ العالی

خلیفہ و جانشین حضرت محی السنہ شاہ ابرار الحق صاحب رحمہ اللہ

باسمہ تعالیٰ

فون علیگڈھ
۰۹۴۱۲۰۶۵۹۲۹

فون ہردوئی
کوڈ ۰۵۸۵۲
۲۲۲۶۳۳

زائ مراسلت

احقر حکیم محمد کلیم اللہ ناظم مدرسہ اشرف المدارس و مجلس دعوۃ الحق
ہردوئی، یوپی الہند
پن کوڈ: ۲۴۱۰۰۱

تاریخ یکم ذی قعدہ ۱۴۴۱ھ
مطابق ۲۳ جون ۲۰۲۰ء
حوالہ ________

عزیز مکرم مولوی عبد القوی صاحب سلمہٗ زید رشدہٗ وفضلہٗ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

عزیزم عبد المقسط سلمہٗ کے ذریعہ آپ کی کتاب تزکیہ باطن کا مسودہ ملا مختلف مقامات سے دیکھا دلی مسرت ہوئی کہ محی السنۃ حضرت والا شاہ ہردوئی نور اللہ مرقدہٗ طلباء کرام کو بچپن ہی سے بہت اہمیت کے ساتھ منورات ظاہری و باطنی اور مظلمات ظاہری و باطنی (جنکی تلخیص احقر نے منجیات و مہلکات سے کی ہے) کے یاد کروانے کا اہتمام فرمایا کرتے تھے ان ہی باتوں میں سے آپ نے مہلکات باطنی کی کتاب و سنت کی روشنی میں بہت عمدہ تشریح کی ہے
دل سے دعاء نکلی کہ اللہ تعالیٰ آپ کی سعی کو قبول فرمائے امت کیلئے نافع اور آپ کیلئے ذریعۂ نجات بنائے اور آپ کو مزید ترقیات عطا فرمائے

والسلام
محمد کلیم اللہ غفرلہٗ

تقریظ گرامی: حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب مدظلہ العالی

مہتمم دارالعلوم دیوبند

(Mufti) Abul Qasim Nomani
Mohtamim (VC) Darul Uloom Deoband

(مفتی) ابوالقاسم نعمانی
مہتمم دارالعلوم دیوبند، الھند

PIN- 247554 (U.P.) INDIA Tel: 01336-222768 E-mail: info@darululoom-deoband.com

Ref. ....   Date:............................

باسمہٖ سبحانہ وتعالیٰ

’’تزکیہ باطن‘‘ حضرت مولانا محمد عبدالقوی صاحب دامت برکاتہم کی ایک نہایت مفید اور نفع بخش کتاب ہے۔ جس میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور کتاب ’’احیاء علوم الدین‘‘ کی روشنی میں انسانوں میں پائے جانے والے روحانی اخلاقی اور عملی امراض کی گیارہ بنیادی عنوانات کے تحت نشان دہی فرمائی ہے۔ ان اخلاقی بیماریوں کی دنیاوی اور اُخروی تباہ کاریوں کا بھی تفصیلی بیان فرمایا ہے اور ان سے بچنے کی تدابیر اور ان کے علاج سے بھی آگاہ کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرمائے، ہمیں اپنی روحانی واخلاقی بیماریوں کا احساس وادراک عطا فرمائے، اور ان سے نجات حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ابوالقاسم نعمانی غفرلہٗ
مہتمم دارالعلوم دیوبند
۱۴۴۱/۱۱/۳ھ = ۲۰۲۰/۶/۲۵ء

تقریظِ گرامی: حضرت شاہ جمال الرحمٰن صاحب مفتاحی مدظلہ العالی

خلیفہ حضرت شاہ صوفی غلام محمد صاحب رحمہ اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انسان کی حقیقی قدر و قیمت نہ قدوقامت سے ہے نہ صورت ورنگت سے، نہ مال ودولت سے ہے نہ ملک وحکومت سے بلکہ انسان کی اصل قدر و قیمت، محبوبیت ومقبولیت سربلندی وعزت اُن صفات سے ہے جو اللہ کے ہاں پسندیدہ ہیں اسی لئے بعض بزرگوں نے فرمایا۔

خواہی بشوی کہ منزل قرب مقیم نُہ چیز بہ نفس خویش فرما تعلیم
صبر وشکر وقناعت وعلم ویقین تفویض و توکل ورضا وتسلیم

یعنی جس کو مقامِ قرب حاصل ہونے کی خواہش ہو تو اس کو چاہیئے کہ اپنے آپ کو نو چیزوں کی تعلیم کرے یعنی صبر، شکر، قناعت، علم، یقین، تفویض، توکل، رضا اور تسلیم کی صفات سے آراستہ ہونا چاہیئے؛ اللہ جل شانہٗ کو دل کی پاکیزگی پسند ہے جو رذائل سے پاک ہو، صفاتِ مذمومہ سے محفوظ ہو جس کو قرآن کریم میں قلب سلیم سے تعبیر کیا گیا، جب تک رذائل سے قلب آلودہ ہے صاف ستھرا اور پاکیزہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔

اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ:

خواہی کہ شود دلِ تو چو آئینہ دہ چیز بروں کن از درونِ سینہ
حرص وامل وغضب ودروغ وغیبت حسد وبخل وریا وکبر وکینہ

اس دور میں خاص طور سے اس پر بہت زیادہ توجہ دینے، اس کی اہمیت وافادیت کو اُجاگر کرنے اور اس کی تعلیم کو عام کرنے اشد ضرورت ہے، اس عنوان پر ہمارے بزرگوں نے ضخیم متوسط اور چھوٹی بہت سی کتابیں لکھی ہیں، بدلتے حالات میں زبان وبیان اندازِ افہام

وتفہیم کی تبدیلی کی ضرورت ہوتی ہے۔

الحمدللہ اس موضوع پر ہمارے اس دور کے صاحب زبان وقلم اور فکر مندِ تعلیم وتربیت اور ہم دردِ قوم وملت حضرت مولانا محمد عبدالقوی صاحب زیدت معالیہ نے ''تزکیہ باطن'' نامی کتاب تحریر فرما کر ایک نہایت مفید کام انجام دیا ہے، بہت عمدہ انداز میں بہترین مواد اکھٹا فرمایا ہے۔

حق تعالیٰ شانہٗ موصوف کو جزائے خیر عطا فرمائے، قبول فرمائے، اس کی افادیت کو عام فرمائے۔ آمین

والسلام

محمد جمال الرحمٰن عفی عنہ

۱۵/ذیقعدہ الحرام ۱۴۴۱ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ گرامی

محترم ومکرم مولانا یحییٰ نعمانی صاحب زید فضلہ

مجاز بیعت حضرت مولانا مفتی مکرم صاحب مدظلہ العالی

قرآن وحدیث کی بے شمار صراحتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسانی فطرت میں نورانی ملکات اور خیر کے جذبات بھی رکھے ہیں اور گندی شہوتیں اور شر وظلم کے رجحانات بھی۔ اس حقیقت ہے کو نفس انسانی پر غور کرنے والا ہر سمجھ دار شخص بھی جانتا ہے۔ انسان کے اندر دونوں قسم کے تقاضے پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ ہاں! اگر اس نے انبیاء علیہم السلام کے بتائے ہوئے طریق کے مطابق باطن کو صاف کرنے اور قلب کو نورانی بنانے کا اہتمام کیا ہوتا ہے، تو اس میں شر وظلم کے رجحانات کمزور اور شہوت ونخوت مغلوب ہوجاتے ہیں۔ نتیجۃً اس کے لیے راہ حق پر چلنا اور خیر وسلامتی اختیار کرنا سہل ہوجاتا ہے۔ اور اس کے برعکس اگر وہ اپنے اندرون کی پاکی سے غافل رہ کر نفس کو آلودہ کرنے والے جذبات کی پرورش کرتا رہتا اور ظاہری زندگی کے گناہوں میں ملوث رہتا ہے، تو اس کی حالت ایسی خراب ہوجاتی ہے کہ گندگیاں اور گناہ اس کے لیے آسان اور نیکیاں مشکل ہوجاتی ہیں۔ پھر اس محروم کی عقل اگر خیر وطاعت کی طرف قدم بڑھانا بھی چاہتی ہے تو بھی ’’طبیعت ادھر نہیں آتی‘‘۔ جس فرد کی یہ حالت ہوتی ہے وہ اپنے دین کو تباہ کر بیٹھتا ہے اور جس قوم کا یہ مزاج وحال ہوتا ہے اس کی اجتماعیت ٹوٹ پھوٹ اور انتشار وافتراق کی شکار ہوجاتی ہے۔

قرآن کی خاص اصطلاح میں بری خواہشات وجذبات کی اصلاح، باطن کی صفائی اور

گندے رذائل سے نجات کی کوشش کو تزکیۂ نفس کہا گیا ہے۔ اور اس کو نبوت محمدی علیٰ صاحبھا الصلاۃ والتسلیم کے مشن کا ایک خاص حصہ قرار دیا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اس امت میں آپ کے علم اور آپ کی دعوت کے جو عالی مقام وارث ہوئے انہوں نے دین کے اس شعبے کو پوری اہمیت دی، خود بھی عمل کیا اور امت کو بھی اس کی طرف دعوت دی۔ زمانہ کے فرق وارتقا کے ساتھ جب دین کے الگ الگ شعبوں پر مستقل علمی و تصنیفی کام انجام دیے جانے لگے۔ تو تزکیۂ نفس اور باطن کے امراض کی تشخیص وعلاج کے موضوع پر بھی تصنیفات کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس سلسلے میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب احیاء علوم الدین لاثانی شہرت کی حامل ہے۔ ہر دور کے علماء وصوفیہ نے اس سے فائدہ اٹھایا اور اس کی تعلیم دی ہے۔ اس کتاب کا ایک جزو (ربع) المھلِکَات یعنی انسان کے دین کو تباہ کن نقصان پہنچانے والی شہوتوں اور خبیث قسم کی خواہشات کے بیان کے لیے خاص فرمایا گیا ہے۔ یہ دین کو برباد اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے غضب کو بھڑکا کر بندے کی عاقبت تباہ کرنے والی وہ بیماریاں اور گندگیاں ہیں جن سے مریدین وسالکین ہی نہیں ہر مسلمان کا واقف ہونا ضروری ہے۔

ناظرین کے ہاتھ میں اس وقت تزکیۂ نفس کے موضوع پر، مشہور عالم وداعی اور بزرگ مربی و مصلح حضرت مولانا محمد عبدالقوی صاحب مدت فیوضھم کی وہ تصنیف ہے جو احیاء علوم الدین کے اس حصہ (ربع المھلکات) کو بنیاد بنا کر تیار کی گئی ہے۔ جس میں امام غزالی ؒ نے دس مہلکات کی تفصیل بیان کی ہے۔ مصنف محترم نے اس کے کچھ مضامین کا اختصار کیا، ہر بری صفت کے مفاسد بیان کرنے کے بعد اس سلسلے کی احادیث ذکر کی ہیں۔ ساتھ ہی ہر رذیلہ اور برائی کے علاج کی کچھ عملی تدبیریں بھی بتلائی ہیں جو مشائخ سلوک خصوصاً حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے تجویز فرمائی ہیں۔

حضرت مولانا اس عہد کے نہایت بابصیرت مشائخ میں سے ہیں۔ حکیم الامت اور ان کے اہم خلفاء کے حالات وافادات پر ان کی وسیع نظر اور گہری بصیرت قابل رشک ولائق استفادہ ہے۔ اس دور میں بھی ان کے یہاں سلوک وارشاد کا کام بزرگوں کے طے کردہ خطوط

پر ہی انجام پاتا ہے اور بڑی تعداد میں سالکین فیض پاتے ہیں۔ راہ سلوک اور باطنی حقائق کے بارے میں اپنی کورذوقی کو میں جانتا ہوں، مگر اپنی سمجھ کی حد تک میں نے حضرت مولانا دامت فیوضہم کو اس راہ کا بڑا محقق پایا ہے۔ اس تصنیف میں، جو اصلاحی ہدایات دی گئی ہیں، فن کے محقق کی شان کے مطابق، ان میں بھی نئے دور کے رجحانات وحالات کی رعایت رکھی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مرتب کا سایہ دراز اور فیض عام فرمائے، اس تصنیف میں برکت و نافعیت کی شان رکھ دے اور یہ راہ حق کے طالبین کے لیے مقصود کے حصول میں معین ومددگار بنے۔ آمین۔

حضرت مصنف مدظلہم کی فرمائش کے احترام میں جس وقت یہ سطریں لکھی جارہی ہیں، یہ بھی ذکر کرنے کو جی چاہ رہا ہے کہ، کتاب کے مطالعے کے دوران اپنے فسادِ حال پر حسرت آمیز ندامت طاری رہی۔ صرف رحمت خداوندی کا آسرا ہے، کاش فضل باری متوجہ ہو جائے اور مرنے سے پہلے خدا ورسول کو منہ دکھانے کے لائق ہو جاؤں۔ ناظرین کرام سے بھی اسی دعا کی درخواست ہے۔

یحییٰ نعمانی

لکھنؤ، ۵/ ذی القعدہ ۱۴۴۱ھ، مطابق ۱۲ جون ۲۰۲۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ گیارہ باتیں ایسی ہیں جو دل کی بیماریاں کہلاتی ہیں، تمام مشائخ سالکین کو ان سے اجتناب کرنے کی تلقین کرتے اور ان کے ازالے کی تدابیر بتاتے ہیں تاکہ آسانی سے بچ سکیں، ذیل میں ان مہلکات کی حقیقت ، مذمت اور اصلاح کی آسان تدابیر کتاب و سنت کی روشنی میں پیش کی جارہی ہیں، تاکہ سالکینِ راہ اپنے دلوں کو سنوارنے کے مقصد میں کامیاب ہوسکیں۔

پیش گفتار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔وبہٖ نستعین

اللہ پاک نے انسانوں کو اس دنیا میں بندگی کی آزمائش کے لئے پیدا فرمایا ہے، یہ انسانی زندگی کا حقیقی مقصد ہے، اس مقصد اور اس کی اچھی طرح اور آسانی کے ساتھ تکمیل کا طریقہ اور سلیقہ سکھانے کے لئے اپنے برگزیدہ بندوں یعنی انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا، انبیاء کے سلسلے کی آخری اور تکمیلی کڑی سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں، آپ نے بھی نبوت کے اظہار کے بعد زندگی کے اس حقیقی اور واحد مقصد سے باخبر کر کے اس کو پورا کرنے کا طریقہ علم اور عمل دونوں ذریعے سے اُمت کو سکھایا۔

اور وہ یہ ہے کہ ۱ کچھ ماننے کی باتیں ہیں سب سے پہلے ان کو ماننا اور ۲ کچھ کرنے کے کام ہیں انہیں انجام دینا اور ۳ کچھ نہ کرنے اور بچنے کے کام ہیں اُن سے اپنے آپ کو بچانا نمبر ایک کا تعلق صرف اعتقاد سے ہے عمل سے نہیں، انہیں عقائد اور ایمانیات کہتے ہیں، ان کی صحت و درستی کے بغیر اعمال کوئی معنی نہیں رکھتے، اعمال کا مدار عقیدے کی سلامتی پر ہے۔

نمبر دو کا تعلق عمل سے ہے انہیں اوامر کہتے ہیں، نمبر تین کا تعلق عزم و ارادے سے ہے، انہیں نواہی اور منکرات کہا جاتا ہے، پھر ان اوامر و نواہی کی تین قسمیں ہیں قولی، قلبی، اور جسمانی۔ قولی اوامر جیسے توحید و رسالت کا اقرار، اذکار و نماز، تلاوتِ قرآن وغیرہ اور قولی نواہی جیسے کفریہ کلمات، سب وشتم اور غیبت وغیرہ؛ بدنی اوامر جیسے نماز، روزہ، حج و جہاد وغیرہ، بدنی نواہی جیسے قتل، زنا، ظلم وغیرہ؛ قلبی اوامر جیسے صدق و اخلاص، تواضع و عبدیت، صبر و شکر وغیرہ، قلبی نواہی جیسے تکبر، ریا، اور بغض و حسد وغیرہ۔

ان احکام کی بہت تفصیل ہے، مجموعی طور پر ان کو ’’دینِ اسلام‘‘ کہا جاتا ہے، سہولت کے لئے انہیں دو نام دیئے جاتے ہیں، ایمان یعنی عقائد اور اسلام یعنی اعمال۔ پھر اعمال کچھ ظاہر بدن سے تعلق رکھتے ہیں بعض باطن سے، ظاہری احکام کا نام ’’فقہِ ظاہر‘‘ اور باطنی احکام کا نام ’’فقہ باطن‘‘ قرار پایا۔

اب خلاصہ یہ نکلا کہ مومنِ کامل بننے یعنی مقصدِ حیات کو پانے کے لئے وہی تین کام کرنے ہوتے ہیں، ۱عقیدے کی درستگی، ۲ اعمالِ ظاہرہ کی تعمیل، ۳ اعمالِ باطنہ کی تکمیل۔

اس کے لئے ان باتوں کا علم حاصل کرنا سب سے پہلے ضروری ہے اس لئے کہ علم کے بغیر عمل کا وجود میں آنا ممکن نہیں اور اگر آ بھی جائے تو احکام کے مطابق ہونا ضروری نہیں اور احکام کے مطابق نہ ہوں تو قبولیت نہیں ہو سکتی، قبولیت نہ ہو تو مقصدِ حیات میں ناکام ہو کر اس کے انجام نارِ جہنم کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

آج کل ماشاء اللہ مقصدِ حیات کو پورا کرنے اور بندگی کا فریضہ سرانجام دینا چاہنے والوں کی کمی نہیں لیکن اُن کے سامنے صحیح علم اور کام کی ترتیب بالکل نہیں ہے، اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ سالکینِ راہِ طریقت کے واسطے ایک آسان اور مختصر سالائحہ عمل کتاب وسنت اور بزرگوں کی تعلیمات کی روشنی میں مرتب کیا جائے، چناں چہ بعون اللہ تعالیٰ یہ نو رسائل کا سلسلہ مرتب کیا گیا ہے، جن میں سے ایک یہ رسالہ ’’تزکیہ باطن‘‘ بھی ہے جو آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

ان رسائل کا تعارف یہ ہے کہ حضرت محی السنہؒ طالب علموں کو امام غزالیؒ کی اربعین خلاصۂ احیاء علوم الدین کے عنوانات (منوراتِ ظاہری، منوراتِ باطنی، اور مظلماتِ باطنی کے نام سے) یاد کرواتے تھے، جو دس کر کے جملہ تیس ہیں، میں نے بھی بچپن ہی میں انہیں رٹ لیا تھا، لیکن اب اس عمر میں جا کے ان کی تفصیل کو باقاعدہ سمجھنے کی نوبت اس طرح آئی کہ یہ رمضان المبارک ’’کرونا وائرس‘‘ کی وجہ سے ’’لاک ڈاؤن‘‘ میں گذرا، اپنے کمرے ہی میں نمازیں اور تراویح ادا ہوتی رہیں، احباب کے تقاضے پر بعد نماز تراویح ایک

سلسلہ ''آن لائن دروس'' کا شروع کیا گیا، خیال ہوا کہ ضروری اصلاحی مضامین مرتب طریقے پر بیان کئے جائیں، من جانب اللہ انہی تیس باتوں کی طرف توجہ ہوئی تو امام غزالیؒ کی عظیم انقلابی تصنیف ''احیاء علوم الدین'' کو سامنے رکھ کر یہ دروس دیئے جاتے رہے، اور الحمد للہ مفید ثابت ہوئے، احباب کا اندازہ ہے کہ کوئی اسی پچاسی ہزار مسلمانوں نے مختلف ممالک میں ان دروس کو سنا، سامعین کی طرف سے بھی فرمائشیں آئیں اور مجھے بھی داعیہ ہوا کہ انہیں مرتب کر کے شائع کیا جائے تاکہ سالکینِ راہِ خدا اپنے مطالعے میں رکھ سکیں اور مشائخ بہ طور نصاب کے اپنے مریدین میں تعلیم کر سکیں، چناں چہ استفادے کی سہولت کے لئے مُنوراتِ ظاہری، منوّراتِ باطنی، مہلکاتِ باطنی اور آفات اللسان الگ الگ رسائل کی شکل میں شائع کئے جارہے ہیں[1] اور باقی پانچ یہ ہیں: قصد السبیل الی المولی الجمیل، جزاء الاعمال، عقائد اسلام وشعب الایمان، آداب المعاملة والمعاشرة، اور معمولاتِ مسنونہ

میں بہت ممنون ہوں محسنی و مشفقی حضرت حکیم کلیم اللہ صاحب مدظلہٗ العالی کا کہ پیرانہ سالی اور صحت کی ناسازی کے باوجود حضرت نے اسے پڑھوا کر سُنا اور اپنی دعاؤں سے نوازا، اسی طرح حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی مدظلہ العالی کا کہ انہوں نے بھی اس عاجز کی درخواست پر اپنی تائید و دعا سے سرفراز فرمایا، نیز برادر محترم مولانا مفتی یحییٰ نعمانی ندوی زید مجدہٗ کا کہ انہوں نے بالاستیعاب دیکھ کر مفید مشوروں سے بھی نوازا اور اپنے تأثرات ارقام فرمائے اور عزیزم مولانا خواجہ نصیر الدین قاسمی سلمہ کا کہ ٹائپ، تصحیح اور مراحل طباعت میں ان کی مسلسل معاونت قابل قدر و لائق تحسین ہے۔ حق تعالیٰ انہیں ظاہری و باطنی ترقیات سے نوازے۔ آمین۔

والسلام

محمد عبد القوی غفرلہٗ

۱۴۴۱/۱۱/۱۴ھ

۶/۷/۲۰۲۰ء

[1] زیرِ نظر رسالہ ان چار میں سے ایک ہے۔

۱

شہوت البطن

بسیارخوری کے نقصانات اور کم خوری کے فوائد

(الف)

بسیارخوری کے نقصانات

امام غزالیؒ فرماتے ہیں: اولادِ آدم کو ہلاک و برباد کرنے والی عادتوں میں سب سے بری اور سب سے زیادہ مؤثر عادت "پیٹ کے تقاضے اور کھانے پینے کی خواہشات" ہیں، اسی شوق نے آدم وحوا علیہما السلام کو جنت سے نکال کر روئے زمین پر پہونچا دیا، جب ان کو ایک درخت کے کھانے سے منع کیا گیا تھا تو ان میں اس کے کھانے کا شوق اس قدر غالب ہوا کہ انہوں نے کھا ہی لیا، جس سے ان کے جسم کے مستور حصے ایک دوسرے کے سامنے ظاہر ہو گئے۔

محقق علماء کا ماننا ہے کہ پیٹ ہی خواہشات اور بیماریوں کا سر چشمہ ہے، بلکہ بے شمار آفتوں کا خزانہ ہے، اس طور پر کہ اسی سے لذتِ نکاح کے تقاضے اُبھرتے ہیں، پھر یہ تقاضے مطعومات[۱] و منکوحات[۲] جاہ[۳] و مال کے تقاضوں کو جنم دیتے ہیں، پھر جاہ و مال کی فراوانی رعونت[۴] و استکبار اور تقابل[۵] و حسد کو وجود میں لاتی ہے، پھر ان کے ذریعہ آدمی میں ریاکاری فخر و مباہات[۶]،

۱ مطعومات: کھانے۔ ۲ منکوحات: بیویاں۔ ۳ جاہ: عہدے و مرتبے۔ ۴ رعونت: تکبر
۵ تقابل: مقابلہ آرائی، ۶ مباہات: فخریہ خوشی

برتری وسرکشی ظاہر ہوتی ہے، جن کا ثمرہ بغض[1] وعناد اور شر وفساد کی صورت میں سامنے آتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ ساری مصیبتیں پیٹ کے تقاضوں اور نخروں کے معاملے میں لاپرواہی کا ہی ثمرہ ہیں؛ اگر آدمی اپنے نفس کو بھوک اور سادی غذاؤں کے ذریعہ قابو میں رکھے اور شیطان کے گھسنے کے راستے تنگ کردے تو نفس اللہ تعالیٰ کی بندگی کے لئے راضی ہو جائے اور بغاوت وسرکشی کا راستہ چھوڑ دے، اس تفصیل سے جب یہ بات واضح ہوگئی کہ سب سے خطرناک مہلکہ شہوتِ بطن ہے تو پھر ضروری ہو گیا کہ اس کے بارے میں علم حاصل کیا جائے اور اس پر قابو پانے کا راستہ تلاش کیا جائے۔ (احیاء علوم الدین: ۳/ ۱۰۴)

کھانا پینا انسان کی ایک بنیادی ضرورت ہے، ہر تر کلیجہ اور زندہ جان میں اللہ تعالیٰ نے بھوک پیاس اور ان کو مٹانے کا تقاضہ رکھا ہے، اس تقاضے کو پورا کرنے کے اسباب بھی پیدا فرمائے ہیں، ان اسباب کو اختیار واستعمال کرنے کا طریقہ بھی سکھایا ہے، لیکن چوں کہ انسانوں کی زندگی کا مقصد محض ہوس رانی[2] اور من مانی نہیں بلکہ حق تعالیٰ شانہٗ کی عبدیت وبندگی کی آزمائش میں کامیاب ہونا ہے، اس لئے بھوک پیاس کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے جانوروں کی طرح عام اجازت دینے کے بہ جائے اسے دو شرطوں کا پابند کیا ہے، ایک یہ کہ کھانے پینے میں حلال وحرام کی تمیز کرنا دوسرے اعتدال اور درجۂ کفایت[3] پر اکتفا کرنا، اس سلسلے میں کتاب وسنت سے تھوڑی تفصیل نقل کی جارہی ہے:

قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے:

وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿٣١﴾ (الاعراف: ۳۱)	اور کھاؤ پیو، (لیکن) حد سے تجاوز نہ کرو، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ حد سے گذرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔

شریف جرجانیؒ فرماتے ہیں: اسراف کم ضروری کام میں زیادہ مال خرچ کردینے کو، یا ضروری اخرجات میں اعتدال سے تجاوز کرنے کو کہتے ہیں، اسی طرح حرام چیزوں کا کھانا

---

۱ بغض: کینہ، عناد: دشمنی۔ ۲ ہوس رانی: خواہشات پوری کرنا۔ ۳ درجۂ کفایت: اتنی مقدار جو صحت وقوت کے لئے کافی ہو۔

یا حلال کا اعتدال سے اور قدرِ ضرورت سے زیادہ کھانا اسراف کہلاتا ہے۔ (التعریفات:23)

ایام جاہلیت میں مشرکین مکہ کا رواج یہ تھا کہ حج کے دنوں میں کھانا برائے نام کھاتے تھے اور ایسا کرنے کو بہت ثواب کا کام سمجھتے تھے، مسلمانوں نے بھی اسے اچھی بات سمجھ کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اس رواج پر عمل کرنے کی اجازت چاہی، اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی، جس کے ذریعہ بتلایا کہ حسبِ ضرورت اور حسبِ اشتہاء[1] حلال چیزوں کا کھانا پینا کوئی بُری بات نہیں ہے اور خواہ مخواہ کھانا پینا ترک کر دینا کوئی کمال یا نیکی کا کام نہیں ہے، البتہ کھانے پینے میں دیگر امور کی طرح اعتدال ملحوظ رکھنا ضروری ہے، یعنی ہوس کی حد تک نہ کھائے۔ اسراف اگر چہ اعتدال سے گذر جانے کو کہا جاتا ہے اور وہ ہر کام میں مذموم ہے مگر یہاں بہ طورِ خاص کھانے پینے کے حکم کے بعد بیان کیا گیا ہے۔

علامہ آلوسیؒ نے اس آیت کے تحت سیدنا عمر ابن الخطابؓ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا ''کھانے پینے میں زیادتی کرنے سے بچو، کیوں کہ یہ جسم کو خراب کرنے، امراض کے پیدا کرنے، اور سستی و کاہلی لانے والا عمل ہے، اعتدال کے ساتھ کھایا پیا کرو اسی سے نظامِ صحت بہتر رہتا اور طبیعت میں چستی رہتی ہے، اور اسراف جیسے مذموم فعل سے بھی حفاظت رہتی ہے'' نیز ابن ماجہ اور بیہقی کے حوالے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ ارشاد بھی نقل کیا ہے'' اسراف یہ ہے کہ آدمی جو جی چاہے (سوچے سمجھے بغیر) کھاتا رہے'' یعنی مفید و مضر، مناسب نامناسب دیکھے بغیر بس خواہش پوری کرتا رہے ...... بسیار خوری کی مذمت میں متعدد آثار و اقوال نقل کرنے کے بعد فرمایا بہت سی احادیث صحیحہ سے بھر پیٹ کھانے کی مذمت معلوم ہوتی ہے، بہر حال کھانے پینے میں اعتدال کی جو تعلیم دی گئی ہے اس میں امت کے لئے بڑی حکمتیں ہیں اس لئے ان کا لحاظ رکھنا بہت ضروری ہے۔ (روح المعانی:۸/۴۸۸)

سورۃ الانعام میں مزید ارشاد ہے:

---

[1] حسبِ اشتہاء: بھوک کے مطابق۔

كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ۖ وَلَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿١٤١﴾

(سورۃ الانعام:۱۴۱)

کھاؤان (کھیتیوں اور باغوں) کی پیداوار جب کہ وہ تیار ہوجائے ،اور اس کا حقِ (واجب) بھی ادا کردو،اس کی کٹائی ہی کے دن ، اور اسراف بھی مت کرو، بے شک وہ (اللہ تعالیٰ) اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔

امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں اس آیتِ کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ کھانے پینے میں زیادتی مت کرو کیوں کہ اس سے عقل اور بدن دونوں خراب ہوجاتے ہیں،سُدّیؒ فرماتے ہیں آیت میں اس کی تعلیم بھی دی گئی ہے کہ خیر خیرات میں بھی اعتدال ملحوظ رکھو ورنہ خود محتاج ہو کر رہ جاؤ گے، کیوں کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب ایک صحابیؓ نے اپنے باغ کی کھجوریں تڑوائی تھیں تو ہر آنے والے کو دیتے چلے گئے، یہاں تک کہ جب شام ہوئی تو خود اُن کے لئے اُن میں سے کچھ کھجوریں بھی نہیں بچی تھیں۔(تفسیر القرآن العظیم:۲/۲۲۷)

آیاتِ قرآنیہ کے بعد چند احادیث بھی ملاحظہ کر لیجئے۔

امام بخاریؒ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ وہ بنا کسی غریب کو شریک کئے کھانا تناول نہیں فرماتے تھے،ایک دن انہوں نے ایک مسکین کو ساتھ کھانے کے لئے بلایا تو وہ بسیار خور[1] نکلا، آپ نے اپنے خادم نافع سے فرمایا آئندہ اس کو میرے دستر خوان پر نہ بٹھانا، کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''مومن ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں'' (بخاری:5393) مطلب یہ ہے کہ حرص وہوس کی وجہ سے سات گُنا زیادہ کھاتا ہے، یہ مطلب نہیں کہ اس کا پیٹ اتنا بڑا ہوتا ہے۔

امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''بنی آدم نے کوئی برتن

---

[1] بسیار خور: بہت کھانے والا۔

برائی سے نہیں بھرا سوائے پیٹ کے، آدمی چاہیئے کہ چند لقمے (اتنا) کھانا کھالیا کرے جس سے کمر سیدھی رہے (یعنی بدن میں طاقت رہے) اور اگر اتنا ہی زیادہ کھانے کا شوق ہے تو پھر ایک تہائی پیٹ میں کھالے، ایک تہائی پانی کے لئے اور ایک سانس کے لئے خالی رکھے''

(ترمذی: ۲/۵۰۹)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم غلام خریدنا چاہتے تھے (ایک غلام لایا گیا) تو آپ نے اس کے سامنے کھجوریں رکھوائیں، اس نے بہت زیادہ مقدار میں کھالیں، آپ نے یہ فرما کر اس غلام کو نہیں خریدا کہ ''بہت کھانا منحوسی ہے''۔ (شعب الایمان: ۵/۳۱)

ایک روایت میں ہے کہ ایک صحابیؓ نے آپ کی مجلس میں زور سے ڈکار لی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''اپنی ڈکار پست کرو، بے شک دنیا میں بہت زیادہ کھانے پینے والے لوگ قیامت کے دن بہت زیادہ بھوکے رہنے والوں میں ہوں گے''۔ (ابن ماجہ: 3351)

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''میری امت کے خراب لوگ وہ ہیں جو متمول[۱] گھرانوں میں جنم لے کر خوب نعمتوں میں پلے، قسم قسم کی غذائیں کھاتے، عمدہ لباس پہنتے، قیمتی سواریوں پر گھومتے اور بڑی بڑی ڈینگیں مارتے پھرتے ہیں''۔
(مستدرک حاکم: 6418)

امام غزالیؒ فرماتے ہیں: مختلف قسم اور مختلف لذتوں کے کھانے کھانا حرام نہیں ہے، جائز ہے لیکن اس کی عادت بنا لینے والے کو اس کا نفس لذتوں کا خوگر[۲]، دنیا اور لذاتِ دنیا کا حریص[۳] بنا کر ہر وقت اسی کے چکر اور فکر میں لگائے رکھتا ہے، پس وہ اس کی خاطر طرح طرح کی معاصی میں مبتلا ہوتا ہے، جس کے نتیجے میں یہ شخص یقیناً امت کے خراب لوگوں میں شمار ہوجاتا ہے۔ جیسا کہ حکیم لقمانؒ نے فرمایا تھا: بیٹے! جب معدہ بھرا ہوا ہوتا ہے تو قوتِ[۴] فکریہ زائل ہوجاتی ہے، حکمت و دانائی فنا ہوجاتی ہے اور اعضاء[۵] و جوارح عبادت میں سست پڑ جاتے ہیں۔ (احیاء علوم الدین: ۳/۱۱۰)

---

۱ متمول: مال دار۔ ۲ خوگر: عادی۔ ۳ حریص: حد سے زیادہ چاہنے والا۔
۴ قوتِ فکریہ: سوچنے سمجھنے کی صلاحیت۔ ۵ اعضاء و جوارح: ہاتھ پیر وغیرہ باڈی پارٹس

(ب)

کم خوری کے فوائد

قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے:

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا﴿٦٧﴾ (سورۃ الفرقان:٦٧)

رحمٰن کے خاص بندے جب خرچ کرتے ہیں تو نہ ضرورت کی جگہ بخل کرتے ہیں نہ بلاضرورت صرف کرتے ہیں بلکہ اعتدال کی راہ پر چلتے ہیں۔

اس آیتِ شریفہ میں اگرچہ تمام ہی اخراجات کا ایک بہترین طریقہ بتلایا گیا ہے مگر اس کے عموم میں اعتدال کے ساتھ کھانا پینا بھی داخل ہے، چناں چہ حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا ”اسراف میں یہ بھی داخل ہے کہ تم جو جی چاہے کھانے لگو“۔ (ابن ماجہ:3353) اس سے معلوم ہوا کہ کھانے پینے میں احتیاط واعتدال برتنا اچھی چیز ہے اور اس میں بہت فوائد ہیں جو آگے درج کی جانے والی احادیث سے واضح ہوتے ہیں۔ یعنی کھانے پینے کا ایک معقول ومعتدل نظام بنالینا چاہئے جب جی چاہے اور جو جی چاہے کھاتے رہنا نہیں چاہئے۔

ابن ماجہ رحمہ اللہ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”ہر چیز کی زکوٰۃ ہوتی ہے اور جسم کی زکوٰۃ روزہ ہے“ (ابن ماجہ:1745) یعنی روزے میں چوں کہ بھوکا رہنا ہے اور بھوکا رہنے سے جسم کے مضرات سے نجات حاصل ہوتی ہے جیسا کہ زکوٰۃ ادا کرنے سے مال پاک وصاف ہوجاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ کم خوری صحتِ جسمانی کا وسیلہ ہے۔

نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن روانہ کرتے وقت جو قیمتی نصائح فرمائی تھیں ان میں ایک بات یہ بھی ارشاد فرمائی تھی کہ ”دیکھو زیادہ عیش کوشی کی فکر میں نہ رہنا اس لئے کہ اللہ کے نیک بندے تنعم[1] پسند اور عیش کوش نہیں ہوتے“ (مسند احمد:۵/ ۲۴۴)

---

[1] تنعم پسند: راحت وآرام کا خواہش مند۔

یعنی کھانے پینے اور رہنے سہنے میں تکلف اور آرام پسندی کو اختیار نہیں کرتے، معلوم ہوا کہ مُرغّن اور پُرتکلف غذاؤں میں زیادہ مشغول نہ ہونا پسندیدہ عمل ہے، تبھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عزیز ترین صحابی کو یہ وصیت فرمائی۔

دیلمیؒ نے مسند الفردوس[۱] میں نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "علم کی روشنی بھوک سے ہے، اور اللہ تعالیٰ سے دور اور غافل کردینے والی چیز شکم سیری[۲] ہے...... بہت نہ کھایا کرو کیوں کہ اس سے تمہارے قلب میں حکمت اور علم کا جو نور رہے وہ بجھ جاتا ہے"۔ (کنز العمال: ۱۵/ ۴۸۳) ظاہر ہے کہ زیادہ کھانے پینے والا آدمی سست اور غبی[۳] ہوجاتا ہے اور سستی و غباوت[۴] علم وحکمت کی روشنی سے آدمی کو محروم کردیتی ہے، اس کے بالمقابل کم کھانا اور ہلکا پھلکا رہنا چستی و مستعدی[۵] کا سبب ہے اور اس سے علم وحکمت میں برکت و نورانیت پیدا ہوتی ہے۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دولت کی پیش کش کی گئی تھی کہ آپ چاہیں تو "بطحاءِ[۶] مکہ" کو سونا بنا کر دے دیا جائے تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا "نہیں! میں چاہتا ہوں کہ ایک دن کھاؤں اور شکر ادا کروں اور دوسرے دن بھوکا رہ کر صبر کا شرف حاصل کروں" (ترمذی:2376) یہ حدیث خود کم خوری کی فضیلت و برکت کو سمجھنے کے لئے بہت کافی ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوری عمر میں کبھی ایک دن میں دومرتبہ روٹی[۷] تیل نہیں کھائے"۔ (مسلم:2974) وہی فرماتی ہیں کہ "آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر والوں نے مدینہ آنے کے بعد سے کبھی دو دن مسلسل جو کی روٹی بھی نہیں کھائی"۔ (مسلم: 2970) کوئی کہہ سکتا ہے کہ شاید آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور آپ کے گھر والوں کو یہ مُیسّر نہ تھا، نہیں! ہرگز نہیں! آپ کی یہ سادگی اور فاقہ کشی مجبوری کی نہیں تھی اختیاری تھی، اوپر حدیث گذر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو میدان بھر سونا دینے کا پیش کش کیا تھا مگر آپ نے خود ہی ایک دن کھانے اور ایک دن فاقہ کرنے کو پسند کیا تھا، مختصر یہ کہ دونوں روایتوں سے کم خوری کی فضیلت وفوائد کا خوب پتہ چل گیا۔

---

۱ مسند الفردوس: کتاب کا نام ہے۔ ۲ شکم سیری: بہت کھانا۔ ۳ غبی: کُند ذہن۔ ۴ غباوت: کُند ذہنی۔
۵ مستعدی: کام کے لئے تیار رہنا۔ ۶ بطحاء: پتھریلا علاقہ۔ ۷ روٹی: اس زمانے کا سالن زیتون کا تیل تھا۔

ایک اور موقع پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا ”وہ مسلمان (زندگی کے مقصد میں بہت) کامیاب ہے جسے مختصر روزی دی گئی اور وہ اسی پر قانع[1] و رضامند رہا“۔ (مسلم:1054)

کم خوری کی فضیلت میں ان احادیث شریفہ کے بعد سلفِ صالحین کے چند اقوال بھی پڑھ لیجئے: حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”میں نے جب بھی رضائے الٰہی کے لئے فاقہ کیا تو اپنے دل میں ایک خاص قسم کی حکمت و عبرت پائی جو اس سے پہلے کبھی نہیں پائی تھی۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے کم کھانے اور بھوکے رہنے کے نمبروار دس فضائل لکھے اور ان میں سے ہر ایک پر بہت تفصیل سے کلام کیا ہے، یہاں اختصار[2] کے مدنظر صرف عنوانات کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے: (۱) دل میں صفائی، طبیعت میں چستی، اور بصیرت[3] میں پختگی پیدا ہوتی ہے۔ (۲) دل کا نرم ہونا جس کے ذریعہ استقامت کی لذت اور ذکر و مناجات کا تأثر[4] حاصل ہوتا ہے۔ (۳) کسرِ نفسی[5] حاصل ہوتی ہے اور غرور و فخر کا وہ بُت ٹوٹتا ہے جو تمام سرکشیوں اور غفلتوں کا سرچشمہ ہے۔ (۴) اللہ تعالیٰ کے عذاب اور جن لوگوں پر عذاب آیا ہے ان کی یاد تازہ رہتی ہے۔ (۵) تمام گناہوں کے جذبات اور خواہشات ٹوٹ جاتے ہیں اور یہ سب سے بڑا فائدہ ہے۔ (۶) نیند کم ہوتی اور شب[6] بیداری کی توفیق ملتی ہے، اس لئے کہ زیادہ کھانے سے زیادہ پیاس لگتی ہے اور زیادہ پانی پینے سے نیند کا غلبہ ہوتا ہے۔ (۷) زیادہ سے زیادہ عبادت کرنے میں سہولت رہتی ہے، کیوں کہ زیادہ کھانے پینے والے کا وقت کھانوں کے انتظام میں زیادہ نکل جاتا ہے۔ (۸) بہت سے امراض سے حفاظت رہتی ہے اور صحت عمدہ رہتی ہے۔ (۹) اخراجات و مصارف میں کمی رہتی ہے اس لئے زیادہ کمانے کے جھنجھٹ سے بھی نجات ملتی ہے۔ (۱۰) مال کی بچت ہوتی ہے جس سے یتامیٰ و مساکین پر خرچ کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

یہ دس فوائد تو بطورِ عنوان ہیں اور ہر ایک کے تحت متعدد[7] فوائد ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ قلتِ طعام[8] اور کم خوری میں بے شمار فوائد ہیں۔ اللہ تعالیٰ توفیقِ عمل نصیب فرمائے۔ آمین

(احیاء علوم الدین: ۳/ ۱۰۹ تا ۱۱۵ ملخصاً)

---

[1] قانع: ملے ہوئے پر اکتفا کرنے اور حرص سے بچنے والا۔ [2] اختصار: کم کرنا۔ [3] بصیرت: دل کی روشنی۔ [4] تأثُّر: اثر قبول کرنا۔
[5] کسرِ نفسی: نفس کے غرور کا ٹوٹنا۔ [6] شب بیداری: راتوں میں جاگ کر عبادت کرنا۔ [7] متعدد: کئی ایک۔ [8] قلت طعام: کم کھانا۔

(ج)

بسیارخوری کا علاج

امام غزالیؒ نے بہت تفصیل سے نظام بتایا ہے، اس زمانے میں اس کا تحمل مشکل ہے، اس کا خلاصہ اور آسان نظام سالکین کے لئے درجِ ذیل ہے۔

۱ اکل حلال کا اہتمام کرنا، اس لئے کہ حلال مال بہ مشکل فراہم ہوتا ہے تو آدمی خود احتیاط سے استعمال کرتا ہے، نیز اکلِ حرام کے ساتھ عبادتوں کا اہتمام دریا کی موجوں پر گھر بنانے کے مترادف[1] ہے۔

۲ رفتہ رفتہ اپنی کثیر مقدار یا جب جی چاہے کھانے کی عادت کو کم کرتے جانا، اس لئے کہ اچانک کھانا پینا چھوڑ دینا اور بھی نقصان دہ ہوسکتا ہے۔

۳ کھانے کے اوقات میں مناسب فصل رکھنا، ان کے بیچ میں نہ کھاتے رہنا۔

۴ کھانے کی قسموں میں تخفیف[2] اور سادگی پیدا کرنا، مرغّن[3] غذائیں زیادہ نہ کھانا۔ (اسی طرح آج کل کے بازاری کھانے اور چائنیز ایٹم سے تو بہت ہی احتیاط رکھنا چاہیئے)

۵ مذکورہ بالا مضامین کا بار بار مطالعہ کرتے رہنا تا کہ کھانے پینے میں فاصلے کی رعایت اور سادگی کا شوق پیدا ہوسکے۔

---

۱ مترادف: ایک جیسا۔　۲ تخفیف: کمی۔　۳ مرغن: زیادہ گھی تیل اور مسالوں والا۔

۲

شہوت الفرج

شرم گاہ کے غلط استعمال کے مضرات اور اس سے بچنے کے فوائد

(الف)

شرم گاہ کے غلط استعمال کے نقصانات

شہوت ماکولات[۱] اور منکوحات[۲] میں دین کی اتباع کے بجائے خواہش نفس کی پیروی کرنے کو کہتے ہیں، پچھلے باب میں ماکولات میں بے اعتدالی کا بیان کیا گیا تھا اس باب میں جنسی تقاضوں کی بے اعتدالی سے متعلق بیان کیا جارہا ہے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں: آدمی کے اندر جنسی تقاضے اور اس کی تکمیل کے لئے مرد و عورت کے ملاپ کے جذبے دو مصلحتوں سے رکھے گئے ہیں، ایک یہ کہ اس کے ذریعہ حاصل ہونے والی وقتی جسمانی لذت کے احساس سے آخرت میں ملنے والی دائمی نعمتوں اور لذتوں کا احساس اور اُن کا شوق پیدا ہو سکے، جماع کی لذت اگر مستقل ہوتی تو مادّی اور جسمانی لذتوں میں اس سے زیادہ لذیذ اور مرغوب کوئی لذت نہ ہوتی، آخرت کی لذتوں کا سمجھنا دنیا کی لذتوں کے احساس کے بغیر ممکن نہیں ہے، کیوں کہ جس چیز کو آدمی کا ذوق[۳] تسلیم نہیں کرتا اس کے اندر اس کا شوق بھی پیدا نہیں ہوتا۔ دوسری مصلحت اس میں یہ ہے کہ اس کے ذریعہ نسلِ انسانی کی

---

۱ ماکولات: کھانے پینے کے تقاضے۔ ۲ منکوحات: جنسی تقاضے۔ ۳ ذوق: مزے جاننے کی فطری صلاحیت۔

بقاء اور تسلسل رہتا ہے، کیوں کہ جماع[۱] کے ذریعہ ہی رحم[۲] میں حمل قرار پاتا اور اولاد پیدا ہوتی ہے، جب تک یہ سلسلہ رہے گا نسلِ انسانی بھی قائم اور پھیلتی رہے گی۔

یہ تو شہوانی و جنسی تقاضوں کے فوائد تھے بشرطے کہ یہ تقاضے حدِ اعتدال میں ہوں، اور اگر یہ جنسی تقاضے اور شہوانی جذبات قابو سے باہر ہو جائیں اور حدِ اعتدال سے بہک جائیں تو پھر ان کے ذریعہ دین و دنیا کے اتنے نقصانات وجود میں آتے ہیں جن کا شمار بھی مشکل ہے، یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی دعاؤں میں "منی" کے شر سے یعنی اس کے بے جا تقاضوں کے نقصانات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی ہے۔

دیگر امور کی طرح شہوت کے بھی تین درجے ہیں۔ تفریط[۳]، افراط، اور اعتدال! تفریط یہ ہے کہ آدمی نامرد ہو اور بیوی کو مطمئن کرنے کی صلاحیت ہی نہ رکھتا ہو، یہ آدمی کے لئے بہت عیب کی بات ہے، یہ کم زوری اگر پیدائشی طور پر ہے تو خیر وہ معذور ہے اور اگر بے اعتدالیوں اور غلط کاریوں کی وجہ سے یہ کم زوری پیدا ہوگئی ہے تو بہت ہی مذمت کی بات ہے۔ اس کے مقابلے میں افراط ہے یعنی شہوانی جذبات اور جنسی تقاضوں کا حد سے گذر کر بے قابو ہو جانا اور اس کی تسکین[۴] کے لئے آدمی کا حلال و حرام اور حدود[۵] و قیود سے آزاد ہو بیٹھنا، ظاہر ہے کہ یہ ہزار آفتوں کی ایک آفت[۶] ہے۔ ان دونوں کے درمیان جو حال ہے وہ اعتدال ہے یعنی شہوت موجود ہو ساتھ ہی عقل و شرع کے ماتحت اور حلال و حرام کی پابند بھی ہو، آزاد اور بے قابو نہ ہو۔

(احیاء علوم الدین سے انتخاب)

جہاں تک شہوت کی کمی یا محرومی کا معاملہ ہے تو یہ جسمانی مرض ہے طبیب[۷] جسمانی سے رجوع ہو کر علاج ممکن ہے تو کرا لینا چاہیئے۔ تاہم شہوت کی افراط یعنی جنسی خواہشات کی بہتات اور ان کی بے اعتدالیاں امراض روحانی و قلبی میں داخل اور مذموم[۸] و معیوب کیفیت ہے اس لئے اس مرض کی مذمتیں قرآن حدیث کی روشنی میں پیش کی جا رہی ہیں۔

---

۱ جماع: میاں بیوی کا ملاپ۔ ۲ رحم: بچہ دانی۔ ۳ تفریط: کمی۔ افراط: زیادتی۔ اعتدال: برابری
۴ تسکین: راحت و سکون دینا۔ ۵ حدود: حد کی جمع۔ قیود: قید یعنی پابندی کی جمع۔ ۶ آفت: بلا و مصیبت
۷ طبیب: ڈاکٹر یا حکیم۔ ۸ مذموم: بُری۔ معیوب: عیب میں داخل۔

ارشادِ خداوندی ہے:

فَخَلَفَ مِنۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوۡفَ يَلۡقَوۡنَ غَيًّا ﴿۵۹﴾ (سورۂ مریم:۵۹)

پس اِن (انبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام) کے بعد ایسے نالائق لوگ آ گئے جو نمازوں کو ضائع کرنے والے اور خواہشات نفسانیہ کا اتباع کرنے والے تھے، بہت جلد یہ غی (یعنی جہنم کی خوفناک وادی) میں ڈالے جائیں گے۔

مفسرین ؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں بعد میں آنے والے نالائقوں سے مراد نمازوں میں کاہلی وسستی کرنے، اُن کے اوقات وآداب کا لحاظ نہ کرنے والے اور خواہشات وشہوات یعنی بدکاریوں میں مبتلا رہنے والے لوگ ہیں، یہ لوگ شہوت کے نشے میں نہ تو اللہ تعالیٰ سے شرماتے ہیں اور نہ ہی زمین والوں سے حیاء[1] کرتے ہیں، یہ لوگ اس امت کے اخیر دور میں ظاہر ہوں گے جو جانوروں کی طرح راستوں میں زنا کرنے سے بھی دریغ[2] نہ کریں گے۔ (تفسیر طبری)

ابنِ کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں ایک روایت نقل فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داوٗد علیہ السلام کو وحی فرمائی تھی "اے داوٗد! آپ اپنے آپ کو اور اپنے اصحاب[3] کو شہوت کے کھانے سے دور رکھئے، اس لئے کہ جو دل دنیوی خواہشات سے مغلوب ہوتے ہیں وہ میری تجلی[4] سے محجوب[5] ہوتے ہیں، اور میں ایسے بندوں کو ــــ جنھوں نے خواہشاتِ نفسانیہ کو میری محبت واطاعت پر ترجیح دی ــــ اس دنیا میں کم سے کم جو سزا دیتا ہوں وہ یہ ہے کہ اپنی طاعات[6] سے محروم کر دیتا ہوں۔ (تفسیر القرآن العظیم: ۱۵۹/۳)

سورۃ المؤمنون میں اللہ تعالیٰ نے اپنی بیویوں اور باندیوں کے علاوہ کسی اور سے نفسانی خواہشات پوری کرنے والے لوگوں کی مذمت کرتے ہوئے انہیں فلاح[7] پانے والوں سے خارج کر دیا:

---

۱ حیا: شرم۔ ۲ دریغ: انکار۔ ۳ اصحاب: صاحب کی جمع یعنی ساتھ والے۔ ۴ تجلی: خاص روشنی۔ ۵ محجوب: پردے میں۔
۶ طاعات: فرماں برداری۔ ۷ فلاح: کامیابی۔

فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝۷ (سورۃ المؤمنون:۷)	اور جو کوئی ان (بیویوں باندیوں) کے علاوہ سے جنسی خواہشات کی تکمیل کرے تو وہی حد سے گذرنے والے لوگ ہیں۔

چناں چہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اللہ تعالیٰ سے یہ دعا فرمائی ہے:

اللّٰھم اِنّی اعوذبک من منکرات الاخلاق والاعمال والاھواء (مشکوٰۃ:۲/۲۶۱/۷)	اے اللہ! میں آپ سے برے اعمال برے اخلاق اور بری خواہشات سے پناہ مانگتا ہوں۔

بُری خواہشات میں ناجائز نفسانی تقاضے اور جنسی زیادتیاں بھی شامل ہیں۔

ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سلسلے میں ڈراتے ہوئے فرمایا: ”جس بات سے میں تم لوگوں کے بارے میں سب سے زیادہ ڈر رہا ہوں وہ تمہارے پیٹ اور شرم گاہوں کی بری شہوتیں اور گم راہ کرنے والی خواہشات ہیں“۔ (مسند احمد: 19794)

دو لفظ ہیں: شھوت اور ھَوَی، دونوں میں فرق یہ ہے کہ شھوت کا تعلق پیٹ اور شرم گاہ سے ہے، ھوی کا تعلق افکار و خیالات سے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت میں ان دونوں صفتوں کے بہک جانے اور عقل و خرد پر غالب آجانے کا خطرہ بہت زیادہ محسوس فرمارہے تھے، اس حدیث سے اچھی طرح واضح ہوجاتا ہے کہ شہوتوں کے بے قابو ہونے اور حد سے بڑھ جانے کا معاملہ کس قدر سنگین ہے جب کہ آج امت اس میں بہ کثرت مبتلا ہے۔

شہوت کی آفتوں میں سب سے خطرناک آفت عورتوں کی طرف رجحان اور اس رجحان کی شدت ہے، اس لئے کہ یہ شہوت جب حدِ اعتدال سے تجاوز کرجاتی ہے تو آدمی کی عقل کو ماؤف[1] اور اندھا کردیتی ہے، عقل بجائے اس کو صحیح راہ دکھانے کے اس کے نفس کو اسبابِ شہوات فراہم کرنے، عورتوں کے ساتھ تعلقات قائم کرنے اور ان کے ساتھ گناہوں میں مبتلا ہونے کی تدبیریں سُجھانے میں لگ جاتی ہے، جس کی وجہ سے یہ شخص اپنے دین اور آخرت کو

[1] ماؤف: خراب۔

فراموش کر کے بے حیائی و بدنامی کے خطرات میں کودنے لگتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ’’میں نے اپنے بعد مردوں کے حق میں عورتوں سے زیادہ مضر کوئی فتنہ (آزمائش) نہیں چھوڑی‘‘۔ (بخاری: 5096)

پھر ان شہوانی مریضوں میں سے بعض تو وہ ہیں جو عورتوں کے چکّر میں رہتے ہیں اور عورتوں ہی سے اپنی جنسی تسکین کا سامان کرنے کے لئے ہر ذلت و رسوائی کا دروازہ کھٹکھٹاتے پھرتے ہیں، یہاں تک کہ کسی ذلت کے گڑھے میں گر جاتے ہیں، اس برے اور گندے کام کو زنا کہا جاتا ہے جس کی کتاب و سنت میں سخت مذمت آئی ہے اور خود شریف آدمی کی عقل اور طبیعت دونوں اس حرکت سے گھن اور نفرت کرتے ہیں۔

زنا کے بارے میں ارشاد ربانی ہے:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿۳۲﴾	زنا کے تو قریب بھی نہ جانا، یہ بہت بُرا عمل اور بدترین راستہ ہے۔

(سورۃ الاسراء: ۳۲)

اس کی سزا کے بارے میں معلوم ہی ہوگا کہ اگر زنا کاری شادی شدہ نے کی ہے تو سنگ سار[۱] کر دیا جاتا ہے یعنی پتھروں سے مار کر ہلاک کر دیا جاتا ہے اور اگر غیر شادی شدہ آدمی نے کی ہے تو سو کوڑے لگائے جاتے ہیں۔

زبور[۲] میں نازل کیا گیا تھا ’’زنا کرنے والے قیامت کے دن اپنی شرم گاہوں کے بَل لٹکے ہوئے ہوں گے، فرشتے انہیں لوہے کی سلاخوں سے مار رہے ہوں گے‘‘۔ (کتاب الکبائر)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ’’مسلمانو! زنا سے بچو، کیوں کہ اس میں چھ طرح کی خرابیاں ہیں تین دنیا میں اور تین آخرت میں، دنیا میں زانی کے چہرے کی رونق ختم ہو جاتی ہے، عمر کم ہو جاتی ہے اور فقر[۳] و تنگ دستی میں چاہیئے مبتلا رہتا ہے، اور آخرت میں اس کو اللہ تعالیٰ کا غصہ، حساب کی سختی اور جہنم کا عذاب ملتا ہے‘‘۔ (سنن بیہقی: ۴/ ۵۴۷۵)

---

۱ سنگ ساری: پتھر مارنا۔ ۲ زبور: اللہ کی کتاب جو حضرت داؤد پیغمبر علیہ السلام پر نازل کی گئی۔

۳ فقر: محتاجی۔ تنگ دستی: ہاتھ کا تنگ ہونا یعنی مفلسی

شہوت کی بے اعتدالی اور جنسی تقاضوں کی شدت سے ایک مرض تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے اور وہ عورتوں سے ناجائز تعلقات بناتے بناتے زناکاری میں مبتلا بلکہ اس بُرائی کا عادی ہوجاتا ہے، دوسرا مرض یہ ہوتا ہے کہ اس شہوانی جنون کے نتیجے میں مجامعت کے لئے بیوی کے ایامِ حیض گذر جانے اور پاک ہوجانے کا انتظار نہیں کرتا، اسی گندگی میں جا گرتا ہے، جب کہ یہ بدترین حرکت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ (سورۃ البقرہ: ۲۲۲)

اور لوگ آپ سے حائضہ عورت سے مجامعت کے بارے میں پوچھ رہے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ وہ ایک گندگی ہے، ان دنوں میں عورتوں سے علاحدہ رہو اور ان کے قریب نہ جاؤ۔ (یعنی مجامعت نہ کرو)

امام احمدؒ وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے حیض کی حالت میں بیوی سے (جانتے بوجھتے) مجامعت کی، یا پیچھے کے مقام میں مجامعت کی یا کسی کاہن کی تصدیق کی تو اس نے اس چیز کا انکار کیا جو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر نازل ہوئی۔ (مسند احمد: ۲/۴۰۸) یعنی احکامِ قرآن کا عملاً انکار کردیا۔

تیسرا مرض غلبۂ شہوت سے یہ پیدا ہوجاتا ہے کہ آدمی بیوی کے پیچھے کے مقام میں مجامعت کرتا ہے جو انتہائی بے حیائی کی بات تو ہے ہی حماقت[1] بھی ہے کیوں کہ مقصدِ مجامعت کے خلاف ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۠ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ (سورۃ البقرہ: ۲۲۳)

تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں، پس تم اپنی کھیتی میں آؤ جدھر سے چاہو۔

تمام مفسرین کے نزدیک اس کا مطلب ہے کہ کسی طرف سے بھی ملو پانی کھیتی میں

[1] حماقت: بے وقوفی

یعنی بچہ دانی میں ہی گرنا چاہئے، ظاہر ہے کہ جب پیچھے کے مقام میں مجامعت کرے گا تو اس حکم کی خلاف ورزی ہوگی، اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیچھے کے مقام میں مجامعت کرنے کو قرآن کریم کے انکار کے برابر گناہ بتلایا ہے جو معمولی تنبیہ نہیں ہے۔

ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے ''جس نے عورتوں کے پیچھے کے مقام میں مجامعت کی اس نے کفر کیا'' (بیہقی: ۷/۱۹۸)

ایک اور حدیث میں ہے کہ ''عورتوں کے پیچھے کے مقام میں جماع کرنے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے''۔ (مجمع الزوائد: ۴/۲۹۹)

چوتھا مرض ایسے شخص میں یہ پیدا ہو جاتا ہے کہ شہوت سے بے قابو ہو کر ــــ اگر بدکاری کے مواقع نہیں ملتے ــــ تو مشت زنی اور خود لذتی میں مبتلا ہو جاتا ہے، حالاں کہ یہ حرکت قوامِ زندگی کی بربادی اور صحت جسمانی کی تباہی کا ذریعہ ہے، قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:

فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝۷

(سورۃ المؤمنون: ۷)

اور جو لوگ بیویوں باندیوں (یعنی حلال عورتوں) کے علاوہ کسی اور طریقہ سے شہوت رانی کرتے ہیں وہ حد سے گذر جانے والے لوگ ہیں۔

اس آیت کے تحت جمہور مفسرین نے مذکورہ بالا تمام غلط کاریوں کو شامل کیا ہے، چناں چہ علامہ آلوسیؒ، امام ابن کثیرؒ، علامہ ادریس کاندھلویؒ سبھی نے لکھا ہے کہ وَرَآءَ ذٰلِكَ میں زنا، لواطت، جانوروں سے بدکاری، بیوی کے دُبر میں مجامعت، متعہ یعنی موقت نکاح وغیرہ کے ساتھ ساتھ استمنا بالید[1] یعنی مشت زنی بھی داخل اور حرام ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کرنے والے کو ملعون[2] فرمایا ہے، انس بن مالکؓ نے فرمایا کہ ایسا کرنے والے کے ہاتھ قیامت میں حاملہ ہوں گے، سعید ابن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ ایک قوم اس حرکت کی وجہ سے عذاب میں مبتلا کی گئی تھی، امام قرطبیؒ فرماتے ہیں اس حرکت کے

۱؎ استمنا بالید: ہاتھ سے منی خارج کرنا۔ ۲؎ ملعون: جس پر لعنت کی گئی ہو۔

مذموم ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ ہر شریف آدمی کی طبیعت اس سے گھن کرتی ہے۔

پانچواں مرض شہوت کے پجاریوں میں یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ عورتوں کے بجائے حسین لڑکوں اور خوب صورت بچوں کے عشق میں مبتلا ہو کر امرد پرستی[۱] اور لواطت[۲] کی گھناؤنی اور خبیث[۳] عادتوں میں پڑ جاتے ہیں، یہ ہوس اُن کے اندر اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ وہ کسی ایک شخص پر بھی اکتفا نہیں کرتے، جس طرح جانور جہاں جی چاہے چڑھ دوڑتا ہے یہ لوگ بھی ہر کسی حسین لڑکے کے پیچھے پڑ جاتے ہیں، اپنے نفس کی تسکین کے لئے ذلت پر ذلت غلامی پر غلامی جھیلتے رہتے ہیں مگر ان حرکتوں سے اُن کی نارِ شہوت[۴] بھڑکتی ہی رہتی ہے بجھنے کا نام نہیں لیتی، یہ بدترین عادت حضرت لوط علیہ السلام کی قوم سے قبل کسی میں نہیں تھی، حق تعالیٰ نے اس عمل کو خبیث کام قرار دیا، ارشادِ ربانی ہے:

وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِىْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ﴿۷۴﴾ (سورۃ الانبیاء: ۷۴)

اور ہم نے لوط (علیہ السلام) کو اس بستی (والوں) سے نجات دی جو خبیث کاموں میں مبتلا تھے، یقیناً وہ بری اور فاسق قوم تھی۔

یہ خبیث حرکت کرنے والوں سے حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے ماننے والوں کو تو بچا لیا گیا مگر خود اُن کے ساتھ کیا ہوا؟ قرآن کہتا ہے:

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ﴿۸۲﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ (سورۂ ہود: ۸۲، ۸۳)

پس ہم نے (ان کی) بستی کو اوپر نیچے اٹھا پلٹ دیا اور ہم نے اُن پر ایسے پتھر برسائے جو آپ کے رب کے پاس سے نام زد کئے ہوئے تھے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر آج بھی کوئی ایسی حرکت کرے تو کسی بلند

---

۱ امرد پرستی: بے داڑھی مونچھ بچوں کے عشق میں مبتلا ہونا۔
۲ لواطت: مردوں سے خواہش نفس پوری کرنا۔
۳ خبیث: انتہائی گندی
۴ نارِ شہوت: شہوت کی آگ

مقام پر لے جا کر وہاں سے نیچے گرا دینا چاہیئے اور اُوپر سے اس پر پتھر بھی پھینکے جائیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس حرکت کی مرتکب قوم کے ساتھ یہی معاملہ فرمایا تھا، یہ بھی ان کا ارشاد ہے کہ ہم جنس پرستی کا عادی اگر بے توبہ مر گیا تو قبر میں خنزیر کی شکل میں تبدیل کر دیا جاتا ہے۔
(کتاب الکبائر)

ایک حدیث میں ہے کہ ”جو شخص قوم لوط علیہ السلام کا عمل کرے تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کردو“ (ترمذی:1456)

(ب)

پاک دامنی کے فوائد وفضائل

شہوت پرستی کے مقابلے میں عفت و پاک دامنی ہوتی ہے جو بہت اچھی اور پسندیدہ صفت ہے، یہ صفت شہوت کو اعتدال میں رکھنے اور عقل پر غالب ہونے سے بچاتے رہنے سے حاصل ہوتی ہے، کیوں کہ عقل ہی انسان کو ہر معاملہ میں صحیح راہ دکھاتی ہے اور مومن کی عقل تو اس کو شریعت وسنت کا اتباع کرنا بھی سکھاتی ہے، پس اگر آدمی کی عقل آزاد نہ ہو اور اس پر ہوا وہوس، شہوات وخواہشات کا غلبہ ہو گیا ہو تو وہ تو بے چاری اپنا کام کرنے سے رہی، ادھر چوں کہ ہوا وہوس اندھے ہیں خود سے صحیح راہ دیکھ نہیں سکتے اسی لئے اپنی آگ مٹانے کے لئے اچھا بُرا سب کچھ کر گذرنے کو تیار رہتے ہیں، اس لئے شہوت کی بلاؤں اور آفتوں سے محفوظ رہنا ہے تو عقل کو شہوت کی گرفت سے آزاد رکھنا سیکھیں اور آگے جو باتیں قرآن و حدیث کی بیان کی جارہی ہیں اُن میں خوب غور کرتے رہیں، انشاءاللہ عفت و پاک دامنی کی دولت نصیب ہوجائے گی۔

سورۃ المؤمنون میں اللہ تعالیٰ نے جنت الفردوس کے وارثین کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کی ایک صفت یہ بھی بیان فرمائی ہے:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝۵ (سورۃ المؤمنون:۵)	اور وہ لوگ وہ ہیں جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

یعنی جنسی بے اعتدالی میں مبتلا نہیں ہوتے بلکہ خوفِ خدا کی وجہ سے ہر بے حیائی اور فحش کام سے اپنے کو دور رکھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اِن آیات میں دو خوش خبریاں دی گئی ہیں، ایک یہ کہ وہ زندگی کے مقصد میں کامیاب ہیں دوسرے یہ کہ وہ جنت کے وارث ہیں ظاہر ہے کہ ان خوش خبریوں سے نماز وزکوٰۃ کے اہتمام لایعنی سے احتراز کے ساتھ ہی پاک دامنی کے عمل کی فضیلت بھی معلوم ہو رہی ہے۔

سورۂ یوسف میں اللہ تعالیٰ نے جہاں زلیخا کے سیدنا یوسف علیہ السلام کو چھیڑنے اور بُرائی کے کام پر مجبور کرنے کا ذکر فرمایا ہے، وہاں بھی یہ واضح فرمایا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا آزمائش سے بچ نکلنا اور پاک دامنی کو محفوظ رکھ سکنا ان پر اللہ تعالیٰ کے خاص فضل سے ممکن ہوا، فرماتے ہیں:

كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ۭ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۲۴﴾ (سورۃ یوسف: ۲۴)

اس طرح (اپنی حفاظت بھیج کر) ہم نے ان سے برائی اور بے حیائی کے کام کو ٹال دیا، یقیناً وہ ہمارے پسندیدہ بندوں میں سے ہیں۔

معلوم ہوا کہ بے حیائی کے کاموں سے بچنا اور پاک دامنی کا لحاظ رکھنا اللہ تعالیٰ کی خاص محبت کا سبب اور نیک بندوں کا کام ہے۔

سورۃ التحریم میں حضرت مریم علیہ السلام کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا (سورۂ تحریم: ۱۲)

اور مریم بنت عمران جس نے اپنی عفت کی حفاظت کی۔

ظاہر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اُن کو مسلمانوں کے لئے مثال قرار دیا اور ان کی چند صفات میں سب سے پہلے پاک دامنی کی صفت اور عفت و پاکیزگی کے وصف کو بیان فرمایا تو اس سے پاک دامن رہنے کی فضیلت و اہمیت اچھی طرح معلوم ہوگئی، اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ حق تعالیٰ سے قرب و محبت حاصل کرنے کے لئے یہ صفت بہت ضروری ہے۔

اب اس سلسلے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاداتِ گرامی سُنئے، فرماتے ہیں: ''اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرو تمہاری اولاد تمہارے ساتھ نیک سلوک کرے گی اور خود پاک دامن رہنے کا اہتمام کرو تو تمہاری عورتیں بھی پاک دامن رہیں گی''۔

(الترغیب والترہیب: ۳/ ۳۱۸)

ایک حدیث میں ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے مجھے دکھلائے وہ تین لوگ جو سب سے پہلے جنت میں جانے والے ہیں، ۱۔ راہِ خدا میں جان دینے والا، ۲۔ پاک دامن جو نہ حرام شہوت میں پڑتا ہو اور نہ ہی لوگوں سے سوال کرتا ہو، اور ۳۔ وہ غلام جو نہ اللہ کی بندگی میں کمی کرتا ہو نہ اپنے آقا کی خدمت میں کوتاہی۔ (مسند احمد: ۲/ ۴۲۵)

ایک حدیث میں ہے کہ ''جو شخص مجھے اپنی زبان اور شرم گاہ کی حفاظت کی ضمانت دے میں اس کے لئے جنت میں داخلے کی ضمانت دیتا ہوں'' (بخاری: 6474)

ایک طویل حدیث میں ہے کہ جس شخص کو ذی حیثیت اور خوب صورت عورت نے اپنی طرف مائل کرنا چاہا مگر اس لئے صاف کہہ دیا کہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں (اس لئے ہر گز یہ کام نہیں کرسکتا) تو اسے کل قیامت کے دن عرش کے سائے میں جگہ ملے گی۔ (بخاری: 1423)

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ اگر یہ واقعہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بار بار نہ سنا ہوتا تو نہ بیان کرتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی اسرائیل کے ایک کفل نامی نوجوان کے بارے میں فرمایا ''اس نے کوئی گناہ ایسا نہیں تھا جو نہ کیا ہو، ایک مرتبہ ایک خوب صورت لڑکی کو ستر دینار دے کر زنا کے لئے راضی کرلیا، پھر جب جماع کے بالکل قریب پہونچ گیا تو وہ لڑکی خوفِ خدا سے رونے لگی، اس نوجوان نے کہا اگر تو عورت ہو کر اللہ تعالیٰ کا اتنا خوف کرتی ہے تو مجھے اس سے زیادہ ڈرنا چاہیئے، یہ کہہ کر اس کو چھوڑ دیا اور عہد کیا کہ اب کبھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کروں گا، اس نوجوان کی اسی رات موت ہوگئی، لوگوں نے اس کے دروازے پر غیب کی یہ تحریر دیکھی کہ اللہ تعالیٰ نے کِفل کی مغفرت فرمادی''۔ (حاکم: ۴/ ۲۵۴)

ایک موقع پر ارشاد فرمایا ''اے قریشی جوانو! زنا مت کرو، اس لئے کہ جس نے اپنی

شرم گاہ کی حفاظت کرلی اس کے لئے جنت ہے۔(مستدرک حاکم: ۴/ ۳۵۸)

یہ اوران کے علاوہ بہت سی احادیث ہیں جن سے پاک دامنی کے فضائل وفوائد کا پتہ چلتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے اس صفت کو پسند کیا ہے۔

پس ہر مومن کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنی شہوت میں اعتدال پیدا کرے ہر قسم کی بے حیائی اور خواہش میں مبتلا ہونے سے بچے، اس میں دنیا وآخرت کے بے شمار فائدے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے توفیقِ عمل نصیب فرمائے۔آمین

(ج)

شہوانی گم راہی کا علاج

امام غزالیؒ نے تو سالکین کے لئے سلوک طے ہونے تک نکاح نہ کرنے ہی کو ترجیح دی ہے، تاکہ سلوک وطریقت کے مراحل اور تربیت روحانی کے مدارج بے فکری اور یکسوئی سے طئے ہوسکیں، تکمیل سلوک کے بعد نکاح کو مناسب سمجھا ہے، لیکن اگر تقویٰ کا حصول مشکل ہورہا ہو تو پھر نکاح میں تعجیل کا مشورہ دیا ہے۔تاہم موجودہ زمانے کے حالات کے لحاظ سے ترتیب اس کے برعکس مناسب معلوم ہوتی ہے، ذیل میں تھوڑی تفصیل کے ساتھ لکھتا ہوں۔

۱؎ جب ازدواجی حقوق کی ادائیگی پر قادر ہو تو جس قدر جلد ممکن ہو نکاح کرلے، کتاب وسنت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

۲؎ اگر کسی وجہ سے نکاح نہ کرسکے یا تاخیر ہو تو بہ کثرت روزہ رکھا کرے تاکہ شہوت مشتعل نہ ہو، علماء فرماتے ہیں کہ کم از کم دو ماہ روزہ رکھے پھر ترک کردے، پھر اگر گناہ کے خطرات محسوس ہوں پھر سے روزے شروع کردے۔

۳؎ نکاح کرے یا نہ کرے دونوں صورتوں میں حفاظتِ نظر کا اہتمام کرے، غیر محرم عورتوں سے بھی، نامناسب مناظر سے بھی، تصاویر، اشتہارات اور موجودہ ذرائع ابلاغ کے مضرات سے اپنے کو ہر ممکن دور رکھے۔

۴۔ دینی یا دنیوی اچھے کاموں میں اپنے کو مصروف رکھے تا کہ دل کو خالی رہنے اور شہوت کی طرف دھیان دینے کا موقع ہی نہ مل سکے۔

۵۔ مذکورہ بالا نقصانات اور فوائد کا بار بار مطالعہ کرتا رہے تا کہ نفس کو مضرتوں سے ڈرایا اور فائدوں پر ابھارا جا سکے۔

۶۔ اللہ تعالیٰ سے لو لگائے رکھے اور رُو رو کر نفس کی شرارتوں سے اس کی پناہ طلب کرتا رہے۔

۷۔ بُری صحبتوں، مستورات کی جگہوں اور امارد سے بہت دور رہے، فون پر بھی عورتوں اور امردوں سے رابطہ نہ رکھے۔

۸۔ اِن مسنون دعاؤں کا التزام رکھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الصِّحَّۃَ وَالعِفَّۃَ وَالْاَمَانَۃَ وَحُسْنَ الخلُقِ وَالرِّضَاءَ بِالقَدْرِ	اے اللہ! میں آپ سے صحتِ ظاہری و باطنی، کا پاک دامنی کا، امانت داری کا، اچھے اخلاق کا اور راضی بہ رضا رہنے کی صفت کا سوال کرتا ہوں۔
اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الھُدیٰ و التُّقیٰ و العَفَافَ وَالْغِنیٰ۔	اے اللہ! میں آپ سے ہدایت، تقویٰ پاک دامنی، اور استغناء کا سوال کرتا ہوں۔
اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ ذَنْبِیْ وَطَھِّرْ قَلْبِیْ وَحَصِّنْ فَرْجِیْ۔	اے اللہ! میرے گناہ معاف فرما دیجئے، میرے دل کو پاک کر دیجئے، اور میری شرم گاہ کو معاصی سے محفوظ رکھنے میں میری مدد فرمائیے۔

۳

شہوت العین

بدنظری و بے پردگی

(الف)

بدنظری کے نقصانات

آدمی کا نفس فطری[۱] طور پر حسین[۲] مناظر اور خوب صورت چہروں کے دیدار کا شوقین ہے، جب شہوت حد سے تجاوز کر جاتی اور بے قابو ہو جاتی ہے تو نفس اپنی پیاس بجھانے کے لئے آنکھوں کا خوب استعمال کرتا ہے، حلال و حرام کی تمیز کئے بغیر اور اچھے بُرے کا خیال رکھے بغیر ہر جگہ نظر اٹھاتا اور آنکھیں لڑاتا ہے، تا کہ حرام لذتوں سے اپنی ہوس کی تسکین کر سکے اور لطف[۳] اندوز ہو سکے، بالخصوص فارغ اور بے فکر نوجوان بہ کثرت ان حرام تفریحات میں مبتلا رہتے ہیں، جب کہ اسلام نے نظر کے معاملہ میں بھی حدود و قیود مقرر کر کے مومن کو ان حدود کا پابند بنایا ہے، تا کہ معاشرہ نظر کی خرابیوں سے محفوظ رہ سکے۔

قرآن حکیم میں ارشادِ ربانی ہے:

---

۱ فطری: پیدائشی۔ ۲ حسین مناظر: خوب صورت سین۔
۳ لطف اندوز: مزے لوٹنے والا ۴ فارغ: مال دار

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝۳۰ (سورۃ النور: ۳۰)

مومنین سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور شرم گاہوں کی حفاظت کریں، یہی ان کے حق میں پاکیزگی کی علامت ہے، بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے ہر عمل سے باخبر ہے۔

ابنِ کثیرؒ فرماتے ہیں: یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کو صریح[1] حکم ہے کہ وہ اپنی نگاہیں ان مناظر کے دیکھنے سے محفوظ رکھیں جنہیں دیکھنے کو اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے، پس انہیں چاہئے کہ ان مناظر، مقامات اور عورتوں کو ہرگز نہ دیکھیں جن کا دیکھنا شریعت میں ناجائز ہے، اور اگر کسی ایسی جگہ بلا ارادہ نظر پڑ جائے تو فوراً اپنی نگاہیں ادھر سے پھیر لیں، اس لئے کہ نظر ہی دل کے فساد کا سبب بنتی ہے، تب ہی تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں شرم گاہوں کی حفاظت کی طرح نگاہوں کی حفاظت کا بھی پابند فرما دیا ہے۔ (تفسیر القرآن العظیم: ۳/ ۲۸۲)

اس مسئلے میں بہ طورِ خاص خود عورتوں کو بھی ہدایت دیتے ہوئے فرمایا:

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰي جُيُوْبِهِنَّ ۠ (سورۃ النور: ۳۱)

مومنات سے بھی کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور شرم گاہوں کی حفاظت کریں، اور اپنی زیب و زینت کو کسی پر ظاہر نہ کریں سوائے اتنے حصّے کے جو ناگزیر[2] ہے، اور اپنی بڑی چادریں اپنے سینے پر ڈال رکھیں۔

مسئلہ دوطرفہ ہے، جب تک مرد اور عورت دونوں مل کر نگاہوں کی حفاظت نہیں کریں گے اس وقت تک صحیح معنوں میں نہ ہمارا سماج پاک[3] باز رہ سکتا ہے نہ ہی ہمارے قلوب پاکیزگی کا لطف اٹھا سکتے ہیں۔

---

۱ صریح: صاف۔ ۲ ناگزیر: ضروری۔ ۳ پاک باز: صاف ستھرا۔

ایک اور جگہ فرمایا:

يَعۡلَمُ خَآئِنَةَ الۡاَعۡيُنِ وَمَا تُخۡفِي الصُّدُوۡرُ ﴿١٩﴾ (سورۂ فاطر:۱۹) اللہ تعالیٰ آنکھوں کی خیانت اور دلوں میں چھپے رازوں کو خوب جانتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: یہ ان لوگوں کے لئے فرمایا جارہا ہے جو چلتے پھرتے حسین عورتوں کے دیدار سے لذت حاصل کرتے رہتے ہیں، اتفاق سے اگر وہ عورت اُن کی بُری نیت کو بھانپ لیتی ہے تو نگاہیں فوراً جھکا لیتے ہیں۔ اسی طرح ان مقامات پر اچانک پہونچ جاتے ہیں جہاں عورتیں نظر آسکتی ہوں، پھر اگر عورت ان کے مکر کو سمجھ جاتی ہے تو شریف بننے کے لئے نگاہیں جھکا لیتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ ان کی نیت عورت کے اعضائے مخصوصہ[1] کو تاکتی رہتی ہے، یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ان کا بس چلے تو اس سے زنا ہی کر بیٹھیں۔ (فتح الباری:۱۱/۱۱) ان آیاتِ کریمہ سے واضح طور پر نگاہوں کی حفاظت کا حکم اور اس کی اہمیت معلوم ہوتی ہے، نیز حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر سے نفس کے مکر وفریب کا بھی خوب اندازہ ہوجاتا ہے۔

امام غزالیؒ سالک کو تربیت کی تکمیل تک یکسوئی کے حصول کے لئے نکاح نہ کرنے کی ترغیب دینے کے بعد فرماتے ہیں کہ ''اگر شہوت کا غلبہ ہو رہا ہو اور روزوں فاقوں کی مدد سے بھی کسرِ شہوت نہ ہو پا رہی ہو۔ مثلاً شرم گاہ کی حفاظت تو ہو جارہی ہے مگر آنکھوں کی حفاظت نہیں ہو پا رہی ہے، تو پھر ایسے شخص کو تسکین شہوت کے لئے نکاح کر لینا ہی بہتر ہے، کیوں کہ کبھی یہ نگاہوں کی خیانت و آوارگی[2] اس کی قوّتِ فکریہ وعقلیہ پر غالب آجائے گی، جمعیتِ خاطر[3] منتشر[4] ہوجائے گی، ہمت پست ہوجائے گی اور ہوسکتا ہے وہ ایسی آزمائش وبلا میں مبتلا ہوجائے جس سے بچنا مشکل ہو، اس لئے کہ آنکھوں کا زنا آدمی کو شرم گاہ کے زنا تک پہونچا دیتا ہے، اور جو شخص آنکھوں کی حفاظت نہیں کر پاتا وہ یقیناً شرم گاہ کی حفاظت بھی نہیں کر پائے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے ''بدنگاہی سے بچو اس لئے کہ یہ صفت آدمی کے دل میں شہوت

---

[1] اعضائے مخصوصہ: قابل شرم جگہیں۔ [2] آوارگی: اِدھر اُدھر بھٹکنا۔ [3] جمعیتِ خاطر: دل کا اطمینان۔ [4] منتشر: بکھری ہوئی۔

کے بیج بوتی ہے جو غلط کاری میں پڑ جانے کے لئے بہت کافی ہے'' حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا'' بیٹے! تم شیر اور بھیڑئے کے ساتھ تو چل سکتے ہو مگر کسی عورت کے ساتھ نہ چلنا (کیوں کہ نفس کو اس کی طرف مائل ہونے سے بچانا بہت مشکل ہے)۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام فرماتے ہیں'' زنا کا آغاز بدنگاہی اور بری تمنا سے ہوتا ہے'' (یعنی پہلے آنکھیں خراب ہوتی ہیں پھر وہ دل کو ستانے لگتی ہیں بالآخر آدمی زنا میں مبتلا ہو جاتا ہے۔) فضیل بن عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں'' بدنظری ابلیس کا وہ مُجرَّب[1] حربہ ہے جو کبھی رائے گاں[2] نہیں گیا''۔ (احیاء علوم الدین: ۳/ ۳۲۔۱۳۱)

جہاں تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کا تعلق ہے تو آپ نے بھی اُمت کو اس خصلتِ بد[3] سے بہت ڈرایا اور اسے آنکھوں کا زنا قرار دیا ہے، مثلاً ایک طویل حدیث میں تمام اعضاء کے زنا میں مبتلا ہو سکنے کی تفصیل بتلاتے ہوئے آنکھوں کے بارے میں فرمایا:

العین تزنی و زنائه النظر (بخاری:6243)

آنکھیں بھی زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا بدنظری ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ'' حج کے دوران جب کہ آپ سواری پر سوار تھے اور آپ کے بھتیجے ــــ فضل رضی اللہ عنہ بن عباس رضی اللہ عنہ جو کہ ابھی قریب البلوغ تھے ــــ آپ کے پیچھے سوار تھے، ایک نوجوان خاتون کوئی مسئلہ دریافت کرنے کے لئے آپ کے پاس آئی، حضرت فضل رضی اللہ عنہ اس عورت کے حسن کو تعجب سے دیکھ رہے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ہاتھ پیچھے کر کے حضرت فضل رضی اللہ عنہ کی تھوڑی پکڑی اور انہیں دوسری طرف پھیر دیا''۔ (بخاری:6228) بعد میں آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ سے پوچھا کہ اس وقت بھتیجے کا چہرہ آپ نے دوسری طرف کیوں پھیر دیا تھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

رأیت شابا و شابة فلم آمن علیهم الفتنة (ترمذی:811)

میں نے ایک جوان مرد اور جوان عورت کو آمنے سامنے دیکھا تو میں نے انہیں فتنے سے محفوظ نہیں سمجھا۔

---

[1] مُجرَّب: تجربہ کیا ہوا۔ حربہ: ہتھیار۔ [2] رائے گاں: بے کار۔ [3] خصلتِ بد: بری عادت

اس لئے فضل ؓ کا چہرہ دوسری جانب پھیر دیا، دیکھا آپ نے یہ نظر کا فتنہ کتنا بڑا فتنہ ہے، واقعہ یہ ہے کہ پہلے آنکھیں خراب ہوتی ہیں پھر دل بے تاب[1] ہوتا ہے پھر عقل پے پردہ پڑ جاتا ہے اس کے بعد وہ سب کچھ ہو جاتا ہے جو نہیں ہونا چاہیئے، اس لئے اسلام نے بدنگاہی پر پابندی لگا کر بُری تمنا کی جڑ ہی کاٹ دی۔

ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''گناہ دلوں پر قابو پالیتے ہیں، آدمی کوئی نظر ایسی نہیں اٹھاتا جس میں شیطان اپنا جال نہ ڈالتا ہو'' (بیہقی:) یعنی شیطان بدنظری کے ذریعہ بہ آسانی آدمی کو گناہ میں مبتلا کر لیتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا ''لوگو! اپنی نگاہیں نیچی اور شرم گاہیں محفوظ رکھا کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتیں مسخ کر دے گا'' (طبرانی:۸/ ۲۴۸)

ایک حدیث میں ہے کہ کسی شخص نے آپ کے حجرۂ مبارکہ کی دیوار کی سوراخ سے اندر جھانک کر دیکھا، آپ اس وقت لوہے کے بدّے سے اپنے بال سنوار رہے تھے، اس بدّے کے ساتھ باہر تشریف لائے اور اس شخص سے فرمایا ''اگر میں گھر میں جھانکتے وقت تجھے دیکھ لیا ہوتا تو اس بدّے کو تیری آنکھ میں مار دیا ہوتا، (معلوم نہیں ہے کہ) اجازت لے کر گھروں میں داخل ہونے کا جو حکم دیا گیا ہے وہ اسی بُرے طریقے کو ختم کرنے کے لئے دیا گیا ہے''۔

(مسلم:2156)

عورتوں کی طرح اس قسم کے لوگ امردوں یعنی بے داڑھی مونچھ لڑکوں پر بھی نگاہیں خراب کرنے لگتے ہیں، یہ امارد[2] پرستی بسا اوقات عورتوں کے عشق سے زیادہ مہلک وخطرناک ثابت ہوتی ہے۔

امام غزالی ؒ امارد پر نگاہ خراب کرنے کے بارے میں فرماتے ہیں: لڑکوں پر بدنگاہی کی مضرت تو اور بھی سخت ہے، اس لئے کہ کسی عورت پر نظر پڑنے سے اس کی طرف اگر دل مائل[3] ہو گیا تو نکاح کے ذریعہ اسے اپنے لئے حلال کر لینے کی گنجائش ہے لیکن امرد کے حسن و جمال

---

[1] بے تاب: بے چین۔ [2] امارد: امرد کی جمع۔ [3] مائل ہونا: جھکنا۔

کی طرف چاہے کتنا ہی دل مائل ہوا سے اپنے لئے حلال کرنے اور اس سے متمتع[1] ہونے کی کوئی صورت ہی نہیں، اس لئے امردوں کی طرف بُری نظر سے دیکھنا قطعاً حرام اور سخت مُضر ہے..... بعض تابعین نے فرمایا ''میں سالکین اور نیک نوجوانوں کے لئے امردوں کی صحبت کو خونیں[2] درندہ سے زیادہ مہلک سمجھتا ہوں'' اسی طرح ایک بزرگ سے منقول ہے کہ لواطت[3] کے عادی لوگوں کی تین قسم ہیں، بعض وہ ہیں جو امردوں کو صرف دیکھنے اور گھورنے پر اکتفا کر لیتے ہیں، بعض ملامست[4] اور مصافحہ سے تمتع[5] حاصل کرتے ہیں اور بعض خبیث تو آگے بڑھ کر اس کے ساتھ بدکاری ہی میں ملوث ہو جاتے ہیں'' معلوم ہوا کہ عورتوں پر بدنظری سے زیادہ بڑی آفت امردوں پر بدنظری ہے پس اگر کوئی اپنی نگاہیں پاک رکھنے پر قادر نہیں ہے اور شہوانی قوت بدنگاہی پر ابھار رہی ہے تو اسے چاہیئے کہ شہوت کے اس زور کو نکاح کے ذریعہ ختم کر لے، کیوں کہ ایسے وقت بھوک سے (یا ایک دو روزے رکھ لینے سے) یہ تقاضا کم زور نہیں پڑتا''۔ (احیاء علوم الدین: ۳/ ۱۳۳)

اسی لئے سلف صالحین نگاہوں کی حفاظت کا بہت اہتمام فرماتے تھے اور اپنے مریدین کو سختی کے ساتھ اس کا پابند بناتے تھے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں ''نگاہوں کی حفاظت زبان کی حفاظت سے بھی زیادہ سخت کام ہے''۔

حضرت حسن بصریؒ کو ان کے بھائی نے بتلایا کہ عجمی[6] عورتیں سروں کو اور سینوں کو کھلا رکھتی ہیں تو آپ نے ارشاد فرمایا ''ایسا ہے تو اپنی نگاہیں اُن پر پڑنے نہ دو''۔

امام زہریؒ سے مروی ہے کہ نابالغ لڑکیوں کی طرف دیکھنے سے بھی احتیاط کرنا چاہئے بالخصوص جسم کے اُن حصوں پر نظر کرنے سے جو فتنے کا سبب بنتے ہیں، خواہ وہ چھوٹی بچی ہی کیوں نہ ہو۔ (نضرۃ النعیم: باب اطلاق البصر)

---

۱ متمتع: فائدہ اٹھانے والا۔ ۲ خونیں درندہ: چیر پھاڑ کرنے والا جانور۔ ۳ لواطت: ہم جنس پرستی۔
۴ ملامست: ایک دوسرے کو چھونا۔ ۵ تمتع: فائدہ اُٹھانا۔ ۶ عجمی: غیر عرب۔

(ب)

حفاظتِ نظر کے فوائد وفضائل

جیسے بدنظری مہلک اور سخت مضر صفت ہے اسی طرح حفاظتِ نظر پسندیدہ اور محمود[1] صفت ہے، اس کی برکت سے دل پاک صاف اور منوّر رہتا ہے، طبیعت میں یکسوئی رہتی ہے، شہوانی طاقت معتدل[2] اور قابو میں رہتی ہے، اس سے یادالٰہی اور عشقِ خداوندی میں مدد ملتی ہے، سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تعلق بڑھتا ہے، مختصر یہ کہ اس میں بے شمار فوائد ہیں، ذیل میں حفاظت نظر کے فوائد کا بھی کچھ تذکرہ کتاب وسنت اور سلف صالحین کی تعلیمات کی روشنی میں کیا جارہا ہے تاکہ عمل کرنے میں سہولت اور رغبت پیدا ہو۔

حق تعالیٰ شانہ نے نگاہیں نیچی رکھنے اور شرم گاہوں کی حفاظت کرنے کا حکم دینے کے بعد فرمایا:

ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝۳۰ (سورۃ النور: ۳۰)

یہ مومنوں کے حق میں پاکیزگی و پارسائی[3] کا ذریعہ ہے، بے شک اللہ تعالیٰ وہ جو کچھ کرتے ہیں اُن سے باخبر ہے۔

معلوم ہوا کہ نظر کی حفاظت اخلاق واعمال اور دل کی پاکیزگی کا سبب ہے، اور چوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی حرکات واعمال سے ہر وقت باخبر ہیں تو بندے کو بھی اس کے پسندیدہ اعمال میں لگنا اور ناپسندیدہ اعمال سے بچتے رہنا چاہئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

النظرة سهم من سهام ابليس من تركها من مخافتي أبدلته ايمانا يجد حلاوته في قلبه (مستدرک حاکم: ۴/ ۳۱۴)

نظر بازی ابلیس کے تیروں میں سے ایک تیر ہے، جو شخص اس حرکت کو میرے خوف کی وجہ سے ترک کردے تو میں اس

---

[1] محمود: قابل تعریف۔ [2] معتدل: نارمل۔ [3] پارسائی: نیکی وپاکی۔

کے عوض ایمان کا ایسا مرتبہ عطا کروں گا
کہ وہ اپنے قلب میں اس کی حلاوت
محسوس کرے۔

ایک حدیث میں ہے کہ ”قیامت کے دن ہر آنکھ (اپنے انجام کے خوف سے) رو رہی ہوگی سوائے اس آنکھ کے جو اللہ تعالیٰ کے حرام کی ہوئی چیزوں کے دیکھنے سے محفوظ رہی ہو .... (حلیۃ الاولیاء: ۳/ ۱۶۳)

ایک حدیث میں ہے کہ ”تین آدمی ایسے ہیں جن کی آنکھیں جہنم کو نہیں دیکھ سکیں گی“، ان میں ایک وہ آدمی بھی ہے جس کی آنکھیں دنیا میں بدنظری سے محفوظ رہی ہوں۔ (مجمع الزوائد: ۵/ ۲۸۸) غور کیجئے کہ حفاظتِ نظر کا یہ کتنا بڑا انعام ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ”عورت ایک شیطان کی صورت میں آتی ہے ایک اور شیطان کی صورت میں جاتی ہے، پس تم میں سے کوئی کسی عورت کو دیکھ لے (اور اس کی شکل پسند آنے کی وجہ سے نفسانی تقاضے ابھرنے لگیں) تو اس کو چاہئے کہ فوراً اپنے گھر لوٹ جائے اور اپنی بیوی سے مل لے، اس عمل سے یہ نفسانی تقاضے (حلال طریقے پر) ٹھنڈے پڑ جائیں گے“ (مسلم:1403)

اس حدیث میں عورت کی کوئی برائی بیان نہیں کی گئی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ چوں کہ عورتیں فطری طور پر زیب وزینت اور بننے سنورنے کا بہت خیال رکھتی ہیں بالخصوص جب باہر نکلتی ہیں اور کسی محفل میں شریک ہوتی ہیں تو یقیناً وہ خودنمائی[1] کرتی ہیں ادھر مردوں میں عورتوں کی طرف میلان ہے، اور بدنظری کا خطرہ موجود ہے، اسی لئے شیطان عورتوں کے ذریعہ مردوں کو آزمائش اور فتنے میں مبتلا کرنے کی بھرپور کوشش کرتا ہے، اس لئے آدمی کو چاہئے کہ نظر کی بہت حفاظت کرے، عورتوں کے رہنے اور گذرنے کی جگہوں سے دور رہے؛ بہ طور خاص نظر پر قابو رکھے، اس سے نفس کا تقوی وطہارت باقی رہ سکیں گے اور تعلق مع اللہ

---

[1] خودنمائی: اپنے کو دِکھانا۔

متأثر نہ ہوگا، پھر بھی اگر کوئی بات اچانک پیش آ گئی تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بہترین راہ دکھا رہے ہیں کہ ان بُرے خیالات کو بڑھنے نہ دے فوراً گھر آ کر اپنی بیوی سے صُحبت کر لے، نفس کا سارا زور ٹوٹ جائے گا اور بُرے خیالات کم زور پڑ جائیں گے۔

بہر حال اس روایت سے بھی نظروں کی حفاظت کی بہت اہمیت اور فضیلت معلوم ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ تمام اکابر محدثین، فقہاء علماء اور اولیاء وصوفیاء سب ہی نظروں کی حفاظت کا بہت اہتمام کرتے رہے، نامحرم عورتوں سے مناسب دوری بنائے رکھنا، پردے کا اہتمام کرنا، بچوں بچیوں سے مناسب احتیاط کرنا، شہوت میں وفور اور جوش ہو تو مکمل طور پر دور رہنے کی کوشش کرنا، راستوں بیٹھکوں اور دکانوں پر تک نظر اٹھانے سے بچنا وغیرہ جتنی تدابیر حفاظتِ نظر کی ممکن ہو سکتی ہیں سب کو ملحوظ رکھنا اُن بزرگوں کے احوال میں ملتا ہے۔

حضرت عطاءؒ ایک محدث ہیں ان کے بارے میں آتا ہے کہ وہ بازار میں بکنے کے لئے آئی باندیوں کی طرف بھی نظر اٹھانے کو مکروہ سمجھتے تھے۔

داؤد طائیؒ تو بے ضرورت نظر اٹھاتے ہی نہ تھے۔

حضرت وکیعؒ فرماتے ہیں کہ ہم عید کے دن محدث عظیم سفیان ثوریؒ کے ساتھ عید گاہ کے لئے نکلے تو انہوں نے ہم سے فرمایا ''پہلا عمل جو آج ہمیں کرنا ہے وہ نگاہوں کی حفاظت ہے'' ایک مرتبہ آپ نے ساتھیوں سے فرمایا ''گھروں کی طرف بھی نظر مت اٹھاؤ، گھر بنائے ہی جاتے ہیں پردے کے لئے''۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں:

من حفظ بصره اورثه الله نورا فی بصیرته۔۔۔	جو اپنی بصارت کی حفاظت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی بصیرت کو روشن فرما دیتا ہے۔

حفاظتِ نظر کے فوائد کو اسی فائدے پر ختم کرتا ہوں، حق تعالیٰ توفیقِ عمل نصیب فرمائے، آمین۔

(ج)

بدنگاہی کا علاج

۱۔ شروع شروع میں جب نفس کا بدنگاہی کی طرف میلان ہو اسی وقت ہمت کر کے نظروں کی حفاظت کرنے کی عادت ڈال لینا چاہیئے، بعد میں بہت مشکل پیش آتی مگر ہمت کرنے سے حفاظتِ نظر پر قابو حاصل ہوجاتا ہے۔

۲۔ ایسی جگہوں پر جانے سے احتراز کرے جہاں بدنگاہی کا خطرہ ہو۔

۳۔ مذکورہ بالا آیات واحادیث کا مطالعہ اور مذاکرہ کرتا رہے۔

۴۔ روز کا روز اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہے کہ بدنگاہی سے کس قدر بچ سکا، جتنی دفعہ ارتکاب کیا ہے اتنا اس پر بوجھ ڈالا جائے، خواہ مالی خیرات کر کے یا نوافل پڑھوا کر۔

۵۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہے کہ وہ اس مرض سے نجات عطا فرمائے۔

۴

الکبر و العجب

بڑائی اور خود پسندی

(الف)

۱ء کبر اور خود پسندی کی تحقیق و تعریف

امام غزالیؒ فرماتے ہیں: کبر اور تکبر بھی ایک ہی صفت کے دو پہلو ہیں، کبر ایک باطنی خُلق ہے اور اس کے اثرات و ثمرات تکبر کہلاتے ہیں، اور کبر کی حقیقت ہے نفس کا کسی دوسرے سے اپنے کو بہتر اور برتر سمجھنے کی طرف مائل ہونا اور اس میں سکون و اطمینان اور خوشی محسوس کرنا، یوں سمجھئے کہ اگر کوئی شخص اپنے کو کسی خاص مقام پر دیکھے اور کسی اور کو بھی ایسے ہی مقام پر دیکھے، پھر اپنے مقام کو اس کے مقام سے بہتر اور افضل محسوس کرے تو یہ کبر ہے، کبر کے پیدا ہونے سے یہ شخص اس کے مقابلے میں اپنے اندر ایک طرح کا فخر، خوشی اور عزت محسوس کرتا ہے، پھر اس کیفیت کے اثر سے اس شخص سے کچھ ناپسندیدہ حرکات کا صدور ہونے لگتا ہے، ان ہی حرکات کو تکبر کہا جاتا ہے۔ پس جب جب یہ شخص اپنے اندر دوسرے کے مقابلے میں قدر و منزلت اور عزت کو زیادہ پاتا ہے تو اس کو حقیر سمجھنے لگتا ہے، اور ہر موقع پر اس کے مقابلے میں رہ کر اپنی فوقیت جتاتا رہتا ہے، مثلاً چلنے میں اس سے آگے رہنا چاہتا ہے، اس کے ساتھ بیٹھنے کھانے سے کتراتا ہے، سلام میں پہل نہیں کرنا چاہتا، اگر وہ کوئی اچھی بات بتلائے تو قبول نہیں کرتا، خود کوئی بات بتلاتا ہے تو ڈانٹ کر اور حقارت کے ساتھ بتلاتا

ہے، اگر کوئی اس کی بات نہ مانے تو غصے میں آجاتا ہے، پڑھاتا ہے تو طلبہ سے سختی سے پیش آتا ہے، ان کی تذلیل کرتا اور انہیں جھڑکتا رہتا ہے اور احسان جتاتا رہتا ہے، اپنے چھوٹوں کو خادم بنا کے رکھتا ہے، عام لوگوں کو تو جانوروں سے بھی بدتر سمجھتا ہے وغیرہ بے شمار حرکتیں ہیں جن کی تفصیل کی ضرورت نہیں، کیوں کہ ہر جگہ متکبرین موجود ہوتے ہیں اور ان کی خسیس و گھٹیا حرکتیں نظر آتی ہی رہتی ہیں، مگر قابلِ تشویش جو بات ہے وہ یہ ہے کہ اس بدترین مرض میں عوام تو کیا خواص کی بھی بڑی تعداد مبتلا ہے، بڑے بڑے عبادت گذار اور دین دار کہلائے جانے والے حتیٰ کہ علماء اور صوفیا تک اس مرض سے محفوظ نہیں ہیں۔ (احیاء علوم الدین: ۳/۴۳۶)

آگے چل کر فرمایا ہے کہ تکبر چوں کہ کسی کے مقابلے میں ہوتا ہے تو وہ مقابل عام طور سے تین ہوتے ہیں۔ (۱) اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں تکبر: جیسے ابلیس، فرعون، قارون، نمرود وغیرہ نے اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں تکبر سے کام لیا، اور اب بھی بہت سے بندے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی بندگی سے اور اس کی الوہیت سے محض تکبر کی وجہ سے انکار کرتے ہیں۔ (۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مقابلے میں تکبر: قرآن کریم میں جن نبیوں کا تذکرہ فرمایا گیا ہے ان کے جھٹلانے والوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا ہے کہ ان کی اس تکذیب کا سبب تکبر ہی تھا، اسی طرح یہ بھی بتلایا کہ مکہ کے مشرکین اور مدینے کے یہود و منافقین محض استکبار کی بناء حق کو قبول کرنے سے محروم رہے۔ (۳) مخلوق کے مقابلے میں تکبر: سو یہ تو ایسی عام وبا ہے کہ اس سے وہ خوش نصیب لوگ ہی محفوظ رہ پاتے ہیں جنہیں اللہ پاک محفوظ رکھتا ہے۔

آگے اُن باتوں کا ذکر فرمایا ہے جو سببِ تکبر بنتے ہیں، اور وہ سات ہیں۔ دو دینی اعتبار سے اور سات دنیوی اعتبار سے۔ ۱ علم، ۲ عمل، ۳ خاندان، ۴ خوب صورتی، ۵ طاقت، ۶ دولت، ۷ جماعت یعنی یہ وہ امور ہیں جن میں آدمی دوسرے پر اپنی برتری محسوس کرتا ہے، اور مختلف طریقوں سے اپنی تعظیم اور دوسرے کی تحقیر کرتا رہتا ہے، جس کی نحوست سے اللہ و رسول کے نزدیک نہایت مبغوض اور ناپسندیدہ ہوجاتا ہے بلکہ جنت سے محروم ہوکر جہنم کا حقدار بن جاتا ہے۔ العیاذ باللہ (احیاء علوم الدین: ۳/ متفرق مقامات کا خلاصہ)

تکبر کی حقیقت سمجھ لینے کے بعد اب وہ آیات و احادیث ملاحظہ کیجئے جن میں تکبر کی مذمت بیان فرمائی گئی ہے۔

۲۔ تکبر کی مذمت اور نقصانات

فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ﴿۲۲﴾ لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ﴿۲۳﴾ (سورۃ النحل: ۲۲ / ۲۳)

پس جو لوگ آخرت (کی حقانیت) پر ایمان نہیں لاتے، اُن کے قلوب انکار کرنے والے ہیں، اور وہ لوگ متکبر ہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ وہ چھپ کر کرتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں، یقیناً اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔

دوسری جگہ فرمایا:

قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ﴿۷۲﴾ (سورۃ الزمر: ۷۲)

کافروں سے کہا جائے گا کہ: ''جہنم کے دروازوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے کے لئے داخل ہو جاؤ، بہت بُرا ٹھکانا ہے اُن کا جو تکبر سے کام لیتے ہیں۔

ایک اور جگہ فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ﴿۶۰﴾ۧ (سورۃ الغافر: ۶۰)

بے شک جو لوگ تکبر کی بنا پر میری عبادت سے منہ موڑتے ہیں، وہ بہت جلد ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

اگر چہ قرآن کریم میں کبر اور تکبر کی مذمت میں بے شمار آیات موجود ہیں، مگر یہاں اُن میں سے تین آیات پر اکتفاء کیا گیا ہے جو بہت کافی ہیں۔

اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چند ارشادات بھی پڑھ لیجئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں جتنا تکبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اسی قدر پست فرماتا اور نیچے گراتا جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ اسفل السافلین یعنی نہایت پستی و ذلت میں پہنچ جاتا ہے۔'' (ابن ماجہ: 4176)

ایک حدیث میں ہے کہ ''قیامت کے دن مجھے سب سے زیادہ مبغوض اور مجھ سے سب سے زیادہ دور وہ لوگ ہوں گے جو جھوٹی باتیں کرتے ہیں، پُر تکلف گفتگو کرتے ہیں اور متکبرانہ چال چلتے ہیں'' (ترمذی: 2018)

ظاہر ہے کہ یہ تینوں عادتیں اِتراتے پھرنے اور شان بگھارنے والوں ہی کی ہوتی ہیں۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ ''جو شخص اپنے کو بڑا آدمی سمجھتا ہے اور چال چلن میں اکڑ اختیار کرتا ہے وہ جب اللہ تعالیٰ سے ملے گا تو اس حال میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غضب ناک ہوں گے۔'' (مسند احمد: 5995)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''لوگو! کبر سے دور رہو، اس لئے کہ کبر اس آدمی کے اندر بھی باقی رہتا ہے جو بہ ظاہر متواضع اور عبا اوڑھے ہوئے ہو'' (الترغیب والترھیب: ۱۶۱/۳)

ایک حدیث میں ہے ''جو شخص اس حال میں مرے کہ وہ خیانت اور کبر سے محفوظ ہو تو جنت میں داخل ہو جائے گا۔'' (مسند احمد: ۲۷۶/۵)

ایک حدیث میں سخت ترین وعید سناتے ہوئے فرمایا ''قیامت کے دن تکبر کرنے والے لوگ چیونٹیوں کی طرح حقیر مگر آدمیوں کی صورتوں میں اٹھائے جائیں گے، ہر چہار طرف سے ان پر ذلت چھا رہی ہوگی، جہنم کے ایک قید خانے کی طرف ہانکے جائیں گے، جس کا نام بولس ہے۔ سخت قسم کی آگ انہیں لپٹے گی اور وہ جہنم میں جہنمیوں کا پیپ پسینہ پلائے جائیں گے''۔ (ترمذی: 2492)

ایک حدیثِ قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''کبریائی میری چادر ہے اور عظمت میری ازار ہے، جو شخص مجھ سے اِنہیں چھیننا چاہے گا تو میں اسے جہنم میں ڈال دوں گا''۔ (مسلم: 2620)

یعنی عظمت اور کبرائی کا دعویٰ کرنے والا اور ایسی چال اختیار کرنے والا جہنمی ہے۔

۳۔ عجب اور خود پسندی کی مذمت

عجب کی تعریف کرتے ہوئے امام غزالیؒ فرماتے ہیں: عجب کے معنی ہیں اپنی نعمت کو عظیم سمجھنا، اس پر مطمئن ہونا اس طور پر کہ منعم یعنی نعمت دینے والے کا نہ استحضار ہو نہ ہی اس نعمت کو اس کی طرف منسوب کرتا ہو۔ عجب کے پائے جانے کے لئے آدمی کے اندر کسی کمال کا ہونا ضروری ہے۔ پس اگر کوئی شخص اپنے اندر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی کمال یا کوئی نعمت پائے تو اس کی اس وقت تین کیفیتیں ہو سکتی ہیں۔

(۱) اس نعمت پر خوشی اور اطمینان تو ہو مگر اس کو اللہ تعالیٰ کا عطیہ اور اس کا کرم سمجھے اور اس نعمت یا کمال کے زائل ہو جانے کا خطرہ بھی لگا رہے، یہ کیفیت عجبِ مذموم میں داخل نہیں ہے۔ (۲) اس نعمت یا کمال پر مسرور و مطمئن ہے، اس کے زوال کا خطرہ بھی نہیں محسوس کر رہا ہے مگر اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہوئے اس کی عطا سمجھتا ہے تو یہ کیفیت بھی عجب نہیں ہے۔ (۳) اس نعمت پر مسرور و مطمئن ہے، زوال کا خطرہ بھی نہیں محسوس کرتا، اور اسے اپنا کمال یا اپنا حق سمجھتا ہے، اور حق تعالیٰ کی عطا ہونے کی طرف بالکل دھیان نہیں دیتا ہے، تو پھر یہ عجب ہے اور عجب سے کبر پیدا ہوتا ہے، کبر تکبر کی شکل اختیار کر کے ہزاروں آفتوں کو جنم دیتا ہے، اس لئے عجب اصل الاصل اور ام الامراض ہے۔ اردو میں اس کو خود پسندی کہا جاتا ہے۔ (خلاصہ: احیاء علوم الدین: ۳/ ۴۰۷)

عجب کے سلسلے میں قرآن مجید کی کئی آیات ہیں مثلاً

وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا (سورۃ التوبہ: ۲۵)

اور (غزوۂ) حنین کے دن، جب کہ تم نے اپنی (تعداد کی) کثرت پر عجب کیا تھا، تو کوئی چیز بھی تمہارے کام نہ آسکی (اور ابتداءً دشمن سے ہار جانا پڑا۔

حنین کے موقع پر جب صحابہ کرامؓ کی نظر اپنے بارہ یا سولہ ہزار کے جمِ غفیر پر پڑی، اور ان کی زبانوں سے یہ جملہ نکلا کہ آج ہم اتنی بڑی تعداد میں ہیں کہ شکست کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تو اللہ تعالیٰ کو یہ عجب وخوش فہمی بالکل پسند نہ آئی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں خوف ناک شکست سے دو چار کر دیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی برکت سے فرشتوں کے ذریعہ مدد کرا کے فتح عطا فرمائی؛ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کئے بغیر اور اس کی قدرت ومشیت کے حوالے کئے بغیر کامیابی کا دعویٰ کر بیٹھنے کے نتیجے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی موجودگی کے باوجود کیسی سخت آزمائش سے دو چار ہونا پڑا، یہ عجب ہے ہی ایسی بلا۔

یہودِ مدینہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

وَظَنُّوٓا اَنَّهُمۡ مَّانِعَتُهُمۡ حُصُوۡنُهُمۡ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنۡ حَيۡثُ لَمۡ يَحۡتَسِبُوۡا ۖ (سورۃ الحشر:۲)	اور وہ یہ سمجھے کہ اُن کے مضبوط قلعے (اور فصیلیں) انہیں اللہ تعالیٰ (کے عذاب) سے بچا لیں گے، مگر اللہ تعالیٰ اُن کے وہم وگمان سے پرے اُن پر (اپنا عذاب) لے آیا۔

یہودیوں کا قبیلہ بنو نضیر جو مدینہ منورہ میں بہت محفوظ فصیل بند شہر میں اور مضبوط قلعوں میں رہتا تھا، اسے اپنے حفاظتی انتظامات، مضبوط مکانوں اور محفوظ قلعے پر بہت بھروسہ اور ناز تھا، وہ اس خوش فہمی اور عجب میں مبتلا تھے کہ مسلمان کبھی ان پر غالب نہیں آسکتے مگر جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان پر غلبہ دیا اور انہوں نے اِن یہودیوں کو پوری ذلت ورسوائی اور بے بسی کے ساتھ اپنے انہی محفوظ ومضبوط مکانات کو اپنے ہاتھوں ویران کر کے بستی سے نکل جانے پر مجبور کر دیا تو تب جا کے انہیں اپنے عجب اور خود پسندی وخود اعتمادی کا انجام بد نظر آیا، واقعی ہر عجب کا یہی انجام ہوتا ہے اور ہونا ہے۔

سورۃ الکہف میں ایک ظالم وکافر زمین دار کے عجب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

قَالَ مَاۤ اَظُنُّ اَنۡ تَبِيۡدَ هٰذِهٖۤ اَبَدًا ۝۳۵ وَّمَاۤ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنۡ رُّدِدۡتُّ اِلٰى رَبِّىۡ لَاَجِدَنَّ خَيۡرًا مِّنۡهَا مُنۡقَلَبًا ۝۳۶ (سورۃ الکہف:۳۶)

وہ کہنے لگا: میں نہیں مانتا کہ یہ نعمتیں کبھی ہلاک بھی ہوجائیں گی ، اور میں قیامت قائم ہونے پر بھی یقین نہیں رکھتا، اور اگر (قیامت قائم ہو بھی گئی اور) مجھے اپنے رب کے پاس لوٹا دیا گیا تو میں وہاں اس سے بہتر حالت کی طرف لوٹوں گا۔

ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے بہت دولت دی تھی، دو انگور کے باغات تھے جن کے نیچے کھیتیاں تھیں اور اطراف کھجور کے درختوں کی باڑ تھی، درمیان سے پانی کی نہر جاری تھی، یہ باغ ہمیشہ پھل دیتے تھے اور بھرپور دیتے تھے، وہ شخص ان نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کا فضل سمجھنے اور شکرگذار بننے کے بجائے اپنا کمال سمجھ کر اترانے لگا اور خدا تعالیٰ اور قیامت کا بھی انکار کر بیٹھا، اپنے ایک غریب دوست کے سامنے اپنی نعمتوں اور دوستوں پر اتراتا ہوا کہنے لگا کہ میں نہیں سمجھتا کہ میری یہ نعمتیں کبھی ختم یا کم ہونے والی ہیں اور میں تو قیامت کو بھی نہیں مانتا کہ قائم ہونے والی ہے، اور چلو قائم بھی ہوگی تو اس دنیا میں اس سے بھی زیادہ مال دار رہوں گا، اس لئے کہ اگر خدا ہے اور اسی نے مجھے یہ سب کچھ دے رکھا ہے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ میں اس کا اہل اور مستحق ہوں تب ہی تو دے رکھا ہے، اور جب یہاں اتنا دیا ہے تو وہاں اس سے زیادہ دے گا، یہ سب سن کر اس کے غریب اور ایمان والے دوست نے سمجھایا کہ ایسی شیخی اور غرور مت بگھار، جو اللہ تعالیٰ دینے پر قادر ہے وہ چھیننے اور برباد کرنے پر بھی قادر ہے، ہوسکتا ہے اس غرور سے خفا ہوکر اور میری غربت کی تحقیر سے ناراض ہوکر وہ مجھ کو تو تیرے سے بھی بہتر نعمتیں عطا کردے اور تجھ سے سب کچھ چھین لے، چنانچہ ایک دن وہ اپنے باغ پر پہونچا تو دیکھا کہ انگور کی ٹٹیاں زمین پر گری پڑی ہیں، کھجور کے درخت نابود ہوگئے کھیتیاں جل گئیں اور نہر خشک ہوگئی ہے، بس ایک چٹیل میدان رہ گیا ہے، یہ دیکھ کر مبہوت ہوگیا اور اپنی حماقت وجہالت پر کفِ افسوس ملنے لگا۔

جہاں تک عجب کے بارے میں احادیث شریفہ کا تعلق ہے تو چند حدیثیں اس سلسلے میں پیش بھی کی جا رہی ہیں: بخاری میں سیدنا ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''پہلے زمانے کا ایک آدمی خود پسندی خوش فہمی میں مبتلا تھا اور ایک دن قیمتی چادروں میں اور بالوں کو سجائے ہوئے عجب و پندار کے ساتھ کہیں جا رہا تھا، اللہ تعالیٰ کو یہ مغرورانہ چال اتنی ناپسند آئی کہ اس کو زمین میں دھنسا دیا، اب وہ زمین میں قیامت تک دھنستا ہی رہے گا'' (بخاری:5789)

ایک حدیث میں ہے کہ تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں (۱) وہ بخل جس پر عمل کیا جائے، (۲) وہ خواہشاتِ نفسانیہ جن کا اتباع کیا جائے، (۳) آدمی کا اپنے آپ کو پسند کرنا اور اپنے پر نازاں رہنا۔ (شعب الایمان:731)

حضرت مسروق تابعیؒ فرماتے ہیں'' آدمی کے عالم ہونے کی علامت یہ ہے کہ اس میں خشیتِ الٰہی پائی جاتی ہے اور جاہل کی نشانی اپنے علم پر عجب کرنا ہے''۔

مالک بن دینارؒ فرماتے ہیں''علم اگر رضائے الٰہی کے لئے حاصل کیا جاتا ہے تو عالم کے مزاج میں پستی اور کسر نفسی پیدا ہو جاتی ہے اور اگر غیر اللہ کے لئے حاصل کیا جاتا ہے تو یہ علم اس میں عجب اور فخر پیدا کرتا ہے''۔

ایک بزرگؒ فرماتے ہیں کہ کبر اور عجب دونوں ایسی بلائیں ہیں جو اخلاق حمیدہ کو سلب کر لینے اور اخلاق رذیلہ کو جنم دینے والی ہیں''۔

چناں چہ عجب اور کبر اللہ تعالیٰ کے غضب کا سبب اور نفس کی کمینگی کی علامت ہیں، خالق اور مخلوق دونوں سے دوری کا ذریعہ ہیں، نفس کی تنگی اور وحشت ہیں، جہنم میں لے جانے کا وسیلہ ہیں، حق سے محرومی اور سرکشی کا سبب ہیں، گناہوں پر نظر نہ ہونے اور توبہ کی توفیق نہ ہونے کا سبب ہیں، وغیرہ بے شمار رذائل ہیں جو عجب اور کبر کے مرض سے پیدا ہوتے ہیں، اعاذنا اللہ منہ۔

(ب)

کبر اور عجب سے بچنے کے فوائد

کبر کے مقابلے میں تواضع ہے اور عُجب کے مقابلے میں شکر و خشوع ہے جو بہت ہی محمود اور پسندیدہ صفات ہیں، قرآن وحدیث میں ان کو پسند کیا گیا اور ان کے حاملین کی تعریف کی گئی ہے، تواضع کی حقیقت حق بات کو قبول کرلینا اور احکامِ دین میں نفسانیت کو دخل نہ دینا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تکبر اور عجب دونوں ہی سے بہت دور تھے، ان کے مقابلے میں تواضع اور کسرِ نفسی کو پسند فرماتے تھے، قرآن کریم میں اُن کی تعریف کرتے ہوئے ایک بات یہ بھی ارشاد فرمائی گئی ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ (سورۂ آل عمران:۱۵۹)	اللہ کے فضل سے آپ ان لوگوں کے حق میں بہت نرم مزاج ہیں اور اگر آپ سخت مزاج اور تنگ دل ہوتے تو لوگ آپ کے اطراف سے بکھر جاتے (یوں جمع نہ رہتے)

معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ عالی کے ساتھ بے پناہ عشق ومحبت اور بے مثال وارفتگی وقربانی کا ایک اہم سبب آپ کا تلطُّف، تواضع اور منکسر المزاجی تھا، ورنہ اگر آپ سخت مزاج ہوتے تو کبھی یہ منظر نہ دکھائی دیتا کیوں کہ کسی سخت مزاج وخود پسند آدمی پر یوں ہزارہا لوگ فدا نہیں ہوا کرتے ہیں۔ واقعی آج بھی یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ استکبار لوگوں کی نفرت کا اور تواضع ان کی محبت کا موجب بنتی ہے۔

اپنے خاص بندوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿۶۳﴾ (سورۃ الفرقان: ۶۳)

اور رحمٰن کے (خاص) بندے وہ ہیں جو زمین پر عجز وانکساری کے ساتھ چلتے ہیں اور اگر ان سے کوئی جاہل اُلجھے تو کہتے ہیں (بھائی تمہیں) سلام۔

سورۂ فرقان کے آخری رکوع میں اللہ تعالیٰ نے ''عبادُ الرحمٰن'' کے نام سے اپنے خاص بندوں کی کئی ایک صفات بیان کی ہیں، اُن کا آغاز ہی اس تواضع کی صفت سے فرمایا ہے، اس سے اس صفت کی اہمیت معلوم ہوتی ہے، نیز جنت کے مستحقین کی صفت بھی یہی بیان فرمائی ہے:

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَ لَا فَسَادًا ط وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۸۳﴾ (سورۃ القصص: ۸۳)

یہ آخرت کا گھر ہم نے ان لوگوں کے لئے بنایا ہے جو زمین پر سرکشی اور فساد کو روا نہیں رکھتے اور بہتر انجام تو متقی لوگوں ہی کے لئے ہے۔

معلوم ہوا کہ عُجب وتکبر سے بچنا دخولِ جنت اور حصولِ آخرت کا اہم سبب ہے۔

قرآن کریم کی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی تواضع اور بندگی کی بہت فضیلت منقول ہے، مثلاً ارشاد نبوی ہے: ''جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ضرور سر بلندی اور عزت ورفعت عطا فرماتا ہے''۔ (مسلم:2588)

ایک حدیث میں ہے ''جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی خاطر تواضع اختیار کرتے ہوئے دکھاوے کا لباس ترک کر دیا تو اللہ تعالیٰ اس کو تمام مخلوق کے سامنے بُلا کر اس کی پسند سے اُسے ایمان کا ایک خاص لباس پہنائیں گے''۔ (مسند احمد: ۴۳۹/۳)

ایک حدیث میں ہے کہ ''سادگی ونیازمندی ایمانی اثرات میں سے ہے''۔

(ابوداؤد:4161)

ایک طویل حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عجز وبندگی کی تمام صفات کا تذکرہ فرماتے

ہوئے اُن کے حاملین کو کامیابی کی خوش خبری سُنائی ہے، فرمایا: ''کامیاب ومبارک ہے وہ شخص جس نے کسی ذلت کے کام کے بغیر مسکنت وتواضع اختیار کرلی ہو اور اپنے کو اپنی نظر میں بھیک مانگے بغیر ذلیل کرر کھا ہو، اور اپنی جمع پونجی کسی گناہ میں صرف نہ کی ہو، مسکین ومتواضع لوگوں پر رحم کرتا ہو، علماء وفقہاء کی صحبت میں رہتا ہو، مبارک ہے وہ جس کی کمائی پاک ہو، باطن پاک ہو، ظاہر باوقار ہو، لوگوں کی برائیوں سے دور ہو، مبارک وخوش قسمت ہے وہ جو اپنے علم پر عمل کرتا ہے اپنے زائد مال کو خرچ کردیتا ہے اور زیادہ بولنے سے بچتا رہتا ہے''۔

(الترغیب والترہیب: ۳/ ۵۵۸)

ان صفات والے کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''طوبیٰ'' کہہ کر مبارک باد دی ہے، یہ لفظ سورۃ الرعد کی آیت نمبر ۲۹ میں بھی استعمال ہوا ہے، جس کے معنیٰ مفسرین نے ''جنت میں ہمیشگی، عزت کی پائداری، اور دولت کی فراوانی سے کی ہے، اللہ نصیب فرمائے۔ آمین

ایک لمبی حدیث میں یہ ارشاد منقول ہے ''اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی نازل فرمائی ہے کہ سب مسلمان آپس میں تواضع اختیار کریں، کوئی کسی پر بغاوت نہ کرے یعنی برتری نہ دکھائے''۔ (مسلم: 2865)

ایک حدیث میں ہے کہ ''جس شخص کی موت اس حال میں آئے کہ وہ متکبر نہ ہو، خائن نہ ہو اور قرضہ دار نہ ہو تو (سیدھے) جنت میں داخل ہوگا''۔ (ترمذی: 1572)

اور یہ واقعہ تو سب ہی کو معلوم ہوا کہ سیدنا عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ جب عیسائیوں سے بات کرنے ملک شام تشریف لے گئے تو کپڑے پر ستر پیوند لگے ہوئے تھے، معمولی قسم کی چپل تھی اور بہت سادگی تھی، حالاں کہ اُس وقت وہ آدھی دنیا کے حکمراں اور بارُعب امیر تھے، لوگوں نے اُنہیں بتلایا کہ یہاں کے لوگ دولت مند اور ذی حیثیت ہیں، مسلمانوں کے امیر کو اس حالت میں دیکھیں گے تو غلط تاثر ہوگا، آپ نے فرمایا: ''ہم ایک پست قوم تھے، اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعہ عزت دی ہے، ظاہری شان وشوکت کے ذریعہ نہیں''، پھر کیا ہوا؟ عیسائی علماء ومشائخ نے اُن کی اسی خستہ حالی کو دیکھ کر بغیر کسی کاروائی کے صُلح کرلی اور بتلایا کہ ہماری

کتب میں اُن کا یہی حال مذکور تھا۔

بہر حال! عجب وتکبر کے مقابلے میں عجز وتواضع اور مسکنت کی بڑی فضیلتیں آئی ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی نصیب فرمائے۔آمین۔

(ج)

کبر اور عُجب کا علاج

۱ مذکورہ بالا آیات واحادیث کا کثرت سے مطالعہ اور مذاکرہ کرتے رہنا۔

۲ اپنی تمام نعمتوں اور کمالات کو اللہ تعالیٰ کی عطا سمجھنا اور ان کے چھن جانے سے ڈرتے رہنا۔

۳ اللہ کے نیک اور متواضع بندوں کو صحبت میں رہ کر ان کی عجز ومسکنت کو دیکھتے رہنا۔

۴ اللہ کے ایسے سیدھے سادے اور مسکین وعاجز بندوں کے حالات پڑھتے رہنا۔

۵ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہنا کہ وہ اس خبیث مرض اور مہلک عادت سے چُھٹکارا نصیب کرے۔

۶ نفس جن کو حقیر سمجھ رہا ہے اُن کے ساتھ تواضع اور خدمت کا معاملہ رکھنا۔

۷ اپنے عیوب پر نظر رکھنا اور دوسروں کی خوبیوں کو دیکھتے رہنا۔

۵

الغیظ و الغضب

بے جا غُصہ

(الف)

بے جا غصے کے نقصانات:

غیظ ناپسندیدہ باتوں کے پیش آنے پر طبیعت میں ہیجان پیدا ہونے کو کہتے ہیں، غیظ و غضب میں فرق یہ ہے کہ غیظ محض جوشِ طبیعت کو کہتے ہیں اور غضب میں اس جوش کے ساتھ جذبۂ انتقام بھی پایا جاتا ہے۔

امام جرجانیؒ کہتے ہیں غُصّے کی حقیقت خونِ دل کے جوش مارنے کے وقت پیدا ہونے کی وہ کیفیت ہے جس کے (تقاضے پر عمل کے) ذریعہ آدمی سکون حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں: غصہ آگ کا ایک شعلہ ہے جو جہنم کی خوف ناک آگ سے نکلا ہے، یہ غصہ دل کے نہاں خانوں میں اس طرح مستور و مخفی رہتا ہے جس طرح راکھ کے ڈھیر میں چنگاری دبی رہتی ہے، غصے کی اس چنگاری کو متکبر شخص کے دل میں موجود کبر اسی طرح باہر نکالتا اور شعلہ بنا دیتا ہے جس طرح پتھر کی مار لوہے سے آگ نکالتی ہے......، پھر اس شعلۂ غضب کے بھڑکنے سے آدمی کے اندر حقد و حسد کے امراض پیدا ہوتے ہیں، جو آدمی کے ہلاک و فساد کا سبب بن جاتے ہیں، اور حقد و حسد کو بڑھاوا دینے والا قلب ہے جس کے ٹھیک

رہنے سے سارا بدن ٹھیک رہتا ہے اور جس کے بگڑنے سے سارا بدن بگڑ جاتا ہے۔

جب یہ پتہ چل گیا کہ کبر سے غضب اور غضب سے حِقد وحَسد کی بیماریاں وجود میں آتی ہیں اور سب کی سب دینی اور دنیوی ہلاکتوں و بربادیوں کا پیش خیمہ ہیں تو اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ان کے بارے میں علم حاصل کرنا، ان کی حقیقتوں سے واقف ہونا، ان کے علاج سے باخبر ہونا اور اگر اپنے اندر یہ امراض پائے جاتے ہیں تو اِن سے نجات پانے کی فکریں کرنا نہایت اہم اور ضروری کام ہے۔ (احیاء علوم الدین: ۳/۲۱۰)

صفتِ غضب کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف بھی کی جاتی ہے بندوں کی طرف بھی؛ حق تعالیٰ کا غصہ تو اس کی صفاتِ حسنہ میں سے ایک صفت ہے جس کی حقیقت تک پہنچنا بندوں کے بس میں نہیں ہے۔ البتہ بندوں کا غصہ دو طرح کا ہوتا ہے مذموم اور محمود! ناحق غصہ مذموم ہے، حق اور دین کے لئے غصے کا آنا مذموم نہیں ہے بلکہ آنا ہی چاہئے۔ پھر بعض لوگوں کو غصے کی بات پر غصہ بالکل بھی نہیں آتا جو ایک کمزوری اور عیب کی بات ہے، ایسی حالت کو غیرت وحمیت سے محروم ہونا کہا جاتا ہے، امام شافعیؒ نے تو ایسے شخص کو گدھا فرمایا ہے یعنی جانوروں کی طرح بے حس! بعض لوگوں کو بہت زیادہ غصہ آتا ہے جس کے نتیجے میں وہ عقل وخرد کی گرفت سے نکل جاتے اور عملاً بے قابو ہو جاتے ہیں۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں ''غصے میں عقل ٹھکانے نہیں رہتی اور انجام سوچنے کا ہوش نہیں رہتا، اس لئے زبان سے بھی جا بے جا نکل جاتا ہے اور ہاتھ سے بھی زیادتی ہو جاتی ہے۔۔۔۔ (بہشتی زیور، جز:۷)

لوگوں کا تیسرا طبقہ اعتدال والا طبقہ ہے، یعنی اُن کو غصہ آتا ہے مگر نہ اتنا کم کہ حمیت و غیرت متأثر ہو جائے نہ اتنا زیادہ کہ عقل پر پردہ پڑ جائے اور حیوانیت کی سطح پر اُتر آئے، بلکہ وہ غصے کی بات پر اتنا غضب ناک ہوتے ہیں کہ عقل مفتور نہیں ہوتی، عقل کی روشنی انہیں سیدھا اور مناسب راستہ سُجھاتی ہے جس کی برکت سے وہ ہر قسم کے نقصان اور پشیمانی کے کام سے محفوظ رہتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ایک طویل خطاب کے اخیر میں فرماتے ہیں ”سنو! بنی آدم مزاج کے اعتبار سے تین طبقوں میں پیدا کئے گئے ہیں، (ایک) ان میں سے وہ (طبقہ) ہے جنہیں غصہ دیر سے آتا ہے اور جلدی ٹھنڈا ہوجاتا ہے، (دوسرا) ان میں سے وہ ہے جس کو جلدی غصہ آتا ہے اور جلدی ہی ٹھنڈا ہوجاتا ہے، (تیسرا طبقہ) ان میں سے وہ ہے جس کو غصہ بہت جلدی آتا ہے اور بہت دیر سے ٹھنڈا ہوتا ہے، سنو! (ان تین طبقوں میں سے) سب سے بہتر وہ طبقہ ہے جنہیں دیر سے غصہ آتا ہے اور جلدی اُتر جاتا ہے، اور ان میں سب سے بدتر طبقہ وہ ہے جس کو جلدی غصہ آتا ہے اور دیر تک ختم نہیں ہوتا“ (ترمذی: ۴/۴۱۹)

معلوم ہوا کہ بات بات پر غصہ آنا اچھی چیز نہیں ہے، واقعی کوئی غصے کی بات ہو تو غصہ آنا چاہئے مگر قابو میں رہنا اور جلدی ٹھنڈا ہوجانا چاہئے۔

امام غزالیؒ غصے کے اسباب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ غصہ عام طور سے فخر، عجب، مذاق، دل لگی، تمسخر، تحقیر، جدال، عناد، دھوکہ اور مال ومنصب کی حرص کے مواقع پر آتا ہے، اور اکثر جاہلوں کے نزدیک غصے کے مرض کا سبب غصے کو بہادری اور مردانگی سمجھ لینے اور جہالت ونادانی سے اس کے اچھے اچھے نام رکھ لینے کا نتیجہ ہوتا ہے، کیوں کہ جب نفس اس کو کمال سمجھتا ہے تو اس کی طرف راغب ہوتا ہے، اس پر مزید نمک پاشی جب ہوتی ہے جب کہ حالتِ غصہ میں کئے جانے والے پہلے لوگوں کے مظالم کو مدح وتعریف کے طور پر کہا سُنا جانے لگتا ہے۔ (احیاء علوم الدین: ۳/۲۲۰)

غُصے کی حقیقت اور اسباب کے بعد اب غُصے کے سلسلے میں کتاب وسنت کی تعلیمات پیش کی جارہی ہیں؛ پہلے مضرات کا بیان ہوگا پھر اس سے بچنے کے فوائد کا تذکرہ کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کفار کی مذمت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا جب کہ وہ لوگ جنگ بدر کے موقع پر بہت غُصّے کے عالم میں مکہ سے نکلے تھے:

اِذۡ جَعَلَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فِیۡ قُلُوۡبِهِمُ الۡحَمِیَّةَ حَمِیَّةَ الۡجَاهِلِیَّةِ (سورۃ الفتح:٢٦)	وہ وقت یاد کرو جب کہ کافروں کے دل جاہلی حمیت یعنی احمقانہ غیظ و غضب سے بھرے ہوئے تھے (تو یہ غصہ انہی کی تباہی و بربادی کا سبب بنا)

معلوم ہوا کہ غصّے میں کئے گئے اقدامات ہمیشہ ذلت و پشیمانی کا سبب ثابت ہوتے ہیں، بالخصوص جب کہ وہ باطل کی حمایت میں ہو اور خود پسندی و خود نمائی کے جذبات کے ساتھ ہو۔

حدیث پاک میں ہے کہ ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نصیحت کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا ''غصہ سے بچا کرو'' اس نے پھر یہی سوال کیا آپ نے بھی یہی جواب دیا، ایسا کئی مرتبہ ہوا، راوی فرماتے ہیں کہ جب آپ نے نصیحت طلب کرنے والے کو بار بار یہی کہا کہ ''غصہ نہ کیا کرو، غصہ نہ کیا کرو'' تو میں نے آپ کی اس ہدایت میں خوب غور کیا کہ آخر یہی نصیحت کیوں آپ اس کو بار بار فرما رہے تھے؟ تو مجھے سمجھ میں آ گیا کہ یہ غصہ ایسی بلا ہے جس میں تمام برائیاں جمع ہیں۔ (مسند احمد: ٩/٥٧)

خطابیؒ فرماتے ہیں کہ **لا تغضب** کا مطلب ہے غصے کے اسباب سے بچو اور ایسے کام اور مقام سے دور رہا کرو جو غصہ آنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔

ابن التینؒ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس نصیحت میں دنیا و آخرت کے خیر کو جمع فرما دیا ہے، اس لئے کہ غصہ آدمی سے قطع رحمی کرواتا ہے، احسان و مہربانی سے روکتا ہے، اور کبھی تو جس پر غصہ آیا ہے اس پر ظلم بھی کروالیتا ہے، جب کہ ان حرکتوں سے آدمی کا دین متأثر ہو جاتا اور اس میں کمی آجاتی ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس شریف میں ایک شخص سیدنا ابو بکر صدیقؓ سے الجھ گیا، بات بڑھ گئی اور وہ آپ کو برُا بھلا کہنے لگا، حضرت ابو بکرؓ بہت تحمل سے کام لے رہے تھے لیکن جب انہیں بھی غصہ آ گیا تو انہوں نے اس شخص کو ترکی بہ ترکی جواب

دیدیا، یعنی نامناسب بات کہہ دی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس وقت تک تو وہیں بیٹھے یہ صورتِ حال دیکھ رہے تھے لیکن جب صدیق اکبرؓ نے پلٹا کے جواب دے دیا تو آپ مجلس سے اُٹھ کر جانے لگے، صدیق اکبرؓ نے آپ کی خفگی اور واپسی کی وجہ پوچھی تو آپ نے ارشاد فرمایا جب تک تم صبر سے کام لے رہے تھے ایک فرشتہ تمہاری طرف سے جواب دیتا جارہا تھا، جب تم خود ہی جواب دینے لگے تو فرشتہ چلا گیا شیطان رہ گیا'' (ابوداؤد:4896)

ایک حدیث میں ہے کہ ''غصہ آدمی کے ایمان کو اسی طرح فاسد کردیتا ہے جیسے ایلوا شہد کو فاسد اور کڑوا کردیتا ہے'' (شعب الایمان:8294) ایلوا ایک نہایت کڑوی چیز ہے اس قدر کڑوی چیز کہ شہد جیسی نہایت میٹھی چیز میں اگر مل جائے تو اسے بھی کڑوا کردیتی ہے، اس سے تشبیہ دیتے ہوئے بتلایا کہ غصّہ بھی اس قدر خراب صفت ہے کہ مومن جب اس میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کا ایمان ضرور متاثر اور خراب ہوتا ہے، اس لئے بہت دور رہنے اور احتیاط کرنے کی ضرورت ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام فرماتے تھے ''زیادہ غصے سے بچو، اس لئے کہ زیادہ غصہ کرنا آدمی کی نرم دلی کو سختی میں بدل دیتا ہے۔

(ب)

غصے سے بچنے کے فوائد:

اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ (سورۃ الشوریٰ:۳۷)

اور جو بڑے بڑے گناہوں سے پرہیز کرتے ہیں اور جب اُن کو غصہ آتا ہے تو وہ درگذر سے کام لیتے ہیں۔

یعنی اس غصہ دلانے والے کی طرف سے معافی نہ چاہنے کے باوجود معاف کردیتے ہیں، حالاں کہ وہ چاہیں تو بدلہ بھی لے سکتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ نہایت اعلیٰ ظرفی اور سخاوتِ

طبعی کی بات ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَلَمَنۡ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنۡ عَزۡمِ الۡاُمُوۡرِ ﴿۴۳﴾ (سورۃ الشوریٰ: ۴۳)

اور یہ حقیقت ہے کہ جو کوئی صبر سے کام لے اور درگذر کر جائے تو یہ بڑی ہمت کی بات ہے۔

یعنی یہ اولوالعزمی اور بلند حوصلگی کی بات ہے کہ آدمی باوجود قدرت کے کم زور کو معاف کردے اور غصے کے تقاضوں کو صبر کے ذریعہ دبالے۔

ایک اور جگہ فرمایا:

وَالۡكٰظِمِيۡنَ الۡغَيۡظَ وَالۡعَافِيۡنَ عَنِ النَّاسِ (سورۂ آلِ عمران: ۱۳۴)

اور جو غصے کو پی جانے اور لوگوں کو معاف کردینے کے عادی ہیں۔

آیت میں **الکاظمین الغیظ** سے مراد وہ لوگ ہیں جو کسی شخص کی جانب سے ناپسندیدہ بات یا معاملہ پیش کرنے پر پیدا شدہ ہیجانی کیفیت کو برداشت کرلیتے اور صبر سے کام لیتے ہیں اور اس شخص سے قدرتِ انتقام کے باوجود انتقام نہ لے کر معاف کردیتے ہیں، یہ بہت ہی ممدوح اور پسندیدہ صفت ہے، حدیث میں آیا ہے کہ ''جو شخص انتقام پر قدرت کے باوجود اپنے غصے کو پی جاتا اور قصوروار کو درگذر کردیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو امن وایمان سے بھر دیتے ہیں''۔ (روح المعانی: ۴/۵۹)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک دفعہ تعلیمی نفسیات سے متعلق ہدایات دیتے ہوئے فرمایا ''(اللہ کے بندوں کو) تعلیم دیتے رہو اور (تعلیم دینے میں) سہولت ملحوظ رکھو، سختی مت برتو اور اگر کسی بات پر تمہیں غصہ آجائے تو ایسے وقت خاموشی اختیار کرلیا کرو''۔ (مسند احمد: ۱/۲۳۹)

ایک حدیث میں ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے ''پہلوان وہ نہیں ہے جو ساتھی کو پچھاڑ دے اصل پہلوان تو وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھ سکے''۔ (مسند احمد: ۲/۲۳۶)

ایک حدیث میں ہے کہ ''کسی حکم یا ثالث کو دو آدمیوں کے درمیان غصے کی حالت میں فیصلہ نہیں کرنا چاہیئے'' (بخاری:7158) کیوں کہ غصے میں جب عقل ٹھکانے ہی نہیں رہتی تو فیصلہ صحیح کیسے ہوسکتا ہے؟۔

احادیث شریفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسے عمل کے بارے میں دریافت کیا جو اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچالے تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا ''لا تغضب ''یعنی تم خود غصے سے بچا کرو۔ (الترغیب والترہیب:۱۰۱/۵)

اسی طرح حضرت احنف بن قیسؓ نے آپ سے پوچھا تھا کہ مجھے کوئی ایسی بات بتادیجئے جو میرے حق میں بہت مفید و کارآمد ہو، ان کے جواب میں بھی آپ نے ''لا تغضب'' ہی فرمایا، یعنی غصہ مت کیا کرو یہ بڑے کام اور نفع کی چیز ہے۔ (ایضاً)

اسی طرح ایک اور صاحب نے ایسے عمل کی رہنمائی کی درخواست کی جو انہیں جنت میں لے جائے تو انہیں بھی آپ نے فرمایا ''لا تغضب و لک الجنۃ ''یعنی غصے سے بچا کرو تمہارے لئے جنت یقینی ہے۔ (فتح الباری:۴۶۵/۴)

معلوم ہوا کہ غصّے کے تقاضوں پر عمل کرنے سے بچنا اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچنے کا سبب ہے، بہت مفید اور کارآمد چیز ہے اور جنت میں لے جانے والا عمل ہے، یہ معمولی فضائل نہیں ہیں۔

ظاہر ہے کہ یہ پوچھنے والے دین کے بنیادی احکام و اعمال میں مضبوط لوگ تھے، انہیں اس کے بارے میں بتانے کی ضرورت نہیں تھی، وہ لوگ دین کے کمال اور اخلاق کی بلندی کے حوالے سے پوچھ رہے تھے؛ مطلب یہ ہے کہ ایک سچا پکّا مسلمان جو فرائض اور حقوق کا پابند ہو اگر وہ اپنے غصے پر بھی قابو پالے تو اس کی برکت سے جنت میں جانے سے روکنے والے بہت سے اعمال و اخلاق سے محفوظ رہے گا، اخلاق بلند رہیں گے تو جنت ہی میں جائے گا۔

سیدنا ابوبکر صدیقؓ کا واقعہ جو غصے کے مضرات میں بیان ہوچکا ہے اس میں بھی یہ سبق موجود ہے کہ ایسے وقت آدمی اپنے غصے پر قابو بنائے رکھے اور شیطانی بہکاوے میں نہ آئے تو

اللہ تعالیٰ فرشتوں کے ذریعہ مدد فرما کر اس کے شیطان کو نامراد کردیتے ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ ''جس بندے میں تین صفات پائی جاتی ہوں اللہ تعالیٰ اس کو اپنی پناہ میں لے لیتے ہیں، اپنی رحمت میں چھپا لیتے ہیں، اور اپنی محبت میں داخل فرمالیتے ہیں، ایک یہ کہ اسے جب کوئی نعمت ملتی ہے تو شکر ادا کرتا ہے، دوسرے انتقام لینے پر قادر ہوتے ہوئے بھی معاف کردیتا ہے، تیسرے یہ کہ جب غصہ آتا ہے تو حلم وتحمل سے کام لیتا ہے''۔ (الترغیب والترہیب: ۵/ ۱۰۴)

ایک حدیث میں ہے کہ ''جو اپنے غصے کو دفع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے اپنے عذاب کو دفع فرمالیتا ہے'' (ایضاً)

ایک حدیث میں ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کے نزدیک (اجر وثواب کے اعتبار سے) بندے کا کوئی گھونٹ اتنا عظیم نہیں ہے جتنا اس کا اپنے غصے کا گھونٹ اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کی خاطر پی جانا ہے'' (ابن ماجہ: ۴۱۸۹)

یہ اور اس قسم کی بے شمار آیات واحادیث ہیں جو غصے پر قابو رکھنے اور اس کے تقاضوں پر عمل سے بچنے کے فوائد کے سلسلے میں وارد ہوئی ہیں، ان سب احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ غصہ ایک بدترین مرض اور مہلک بیماری ہے اس سے جس قدر ممکن ہو دور رہنے کی کوشش کرنا چاہئے، بشری تقاضوں سے کبھی غصّہ آ بھی جائے تو اس سے مغلوب ہونے کے بجائے اس کو مغلوب رکھنے کی کوشش کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ توفیق عمل عطا فرمائے، آمین۔

(ج)

غصے کا علاج

۱۔ اللہ تعالیٰ سے غصے کے شر سے پناہ مانگتے ہوئے اعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم پڑھتے رہنا۔ اور پانی پی لینا، وضو بنالینا۔

۲۔ خاموشی اختیار کرنا کیوں کہ ایسے موقع پر بولنے سے بات بہت آگے تک بڑھ

جاتی ہے۔

۳۔ سکون اختیار کرنا یعنی کھڑے ہوں تو بیٹھ جاتا، بیٹھے ہوں تو لیٹ جانا، اس کا فائدہ یہ ہے کہ بیٹھنے اور لیٹنے کی حالت میں جارحانہ اقدامات کرنہیں پائے گا۔

۴۔ اس سلسلے میں منقول احادیث کا استحضار رکھنا، اور اس میں غور کرتے رہنا۔

۵۔ غُصّے کے بُرے انجام ــــ قتل، طلاق، ظلم وغیرہ ــــ کے واقعات ذہن میں تازہ کرلینا۔

٦۔ اس کے مقابلے میں صبر کرنے والوں کے اچھے نتائج سامنے رکھنا۔

۷۔ جس پر غصہ آیا ہے اگر اُس کو ہٹا سکتے ہوں تو اس کو ورنہ خود کو اس جگہ سے ہٹا لینا تا کہ غصّہ بھڑک نہ سکے۔ انشاء اللہ اِن تدابیر کے استعمال سے بہت فائدہ ہوگا۔

٦

البغض و الحسد

حسد اور کینہ

(الف)

۱ء حسد اور کینے کی تحقیق و تعریف

امام غزالیؒ فرماتے ہیں: جاننا چاہئے کہ جب غصے کے تقاضوں کو پورا کرنے اور انتقامی جذبات کو ٹھنڈا کرنے میں آدمی کسی وجہ سے بے بس اور عاجز ہو جاتا ہے تو اس کا یہ غُصّہ اس کے باطن میں جا کر چھپ جاتا اور دل میں بیٹھ جاتا ہے، اس کو حِقد اور بغض کہتے ہیں، پس حِقد کا مطلب یہ ہوا کہ آدمی کا دل اس شخص سے بغض و نفرت کا بوجھ اُٹھاتا رہتا ہے، اور بدلہ لینے پر قدرت حاصل ہونے تک اس بوجھ سے نجات نہیں پا سکتا۔ بہر حال بغض غضب کا ثمرہ اور اس کا اثر ہے، پھر اس بغض اور کینے سے آدمی کے اندر آٹھ نئے امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔

۱ء بغض حَسد کو پیدا کرتا ہے، حسد یہ ہے کہ دل میں اس شخص سے نعمتوں کے زوال کی تمنا پیدا ہو جاتی ہے، محسود کو (یعنی جس سے حسد پیدا ہو گیا ہے) اگر نعمت ملے تو مغموم ہوتا ہے اور اگر اس پر کوئی مصیبت آئے تو خوش ہوتا ہے جو کہ منافقین کی صفت ہے۔ ۲ء بغض دل میں حسد کی کیفیت کو بڑھاتا رہتا ہے تا کہ دشمن کی مصیبتوں پر خوش ہوتا رہے۔ ۳ء دشمن سے

دوری اختیار کرواتا ہے اس کے باوجود بھی کہ وہ اپنی طرف سے قریب ہونا چاہتا ہو۔ ۴؎ اس کی تحقیر دل میں ڈالتا ہے اور توہین کراتا رہتا ہے۔ ۵؎ اس کی غیبت، تجسُّس عیوب اور بے عزتی کرواتا ہے۔ ۶؎ اس کا تذکرہ استہزاء وتمسخر کے ساتھ کرواتا رہتا ہے۔ ۷؎ جسمانی ایذاء رسانی کرواتا ہے۔ ۸؎ اس کے حقوقِ واجبہ ادا کرنے سے روکتا ہے۔

بغض کا کم سے کم درجہ یہ ہے کہ چاہے مذکورہ بالا امراض میں سے تو کوئی مرض بھی نہ ہو مگر دل میں اس شخص کی طرف سے میل اور کھٹک باقی رہ جائے جس کے نتیجے میں اس شخص کے لئے کسی بھلائی، ہمدردی وخیر خواہی کا جذبہ باقی نہ رہے، تاکہ دل میں بغض کا سلسلہ قائم رہے ختم نہ ہونے پائے، یہ کیفیت آدمی کی دین داری کے مرتبے کو گھٹا دینے اور بہت سے اجرو ثواب سے محروم ہو جانے کے لئے کافی ہے، اگرچہ بغض کے اس درجہ پر اس کا عنداللہ مؤاخذہ نہ ہوگا۔

بغض اور کینے میں مبتلا شخص کے لئے اس مرض سے نکلنے کے تین راستے ہیں۔ (۱) یا تو وہ اپنے دشمن پر ناحق ظلم وزیادتی کرتا رہے جو کہ حرام ہے، (۲) یا اسے معاف کردے اور صلۂ رحمی و دوستی کا حق ادا کرنے لگے جو کہ اخلاق کا اعلیٰ درجہ ہے، (۳) یا بس اس کا حق ادا کردے، نہ دوستی نہ دشمنی، جو کہ اخلاق کا ادنیٰ درجہ ہے اور پھر بھی غنیمت ہے۔

یہ تو تھی مرض حقد وبغض کی تحقیق اب آگے اس سے پیدا ہونے والے مرض حسد کی تحقیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حسد پیدا ہونے کے عام طور سے تین اسباب ہوتے ہیں، ۱؎ جس شخص سے آدمی کو بغض وعداوت ہے اس شخص کو کوئی مرتبہ مل جائے، یا کوئی کمال حاصل ہو جائے تو اس سے دل کو تکلیف ہوتی ہے اور آدمی چاہتا ہے کہ اس شخص سے یہ نعمت کسی طرح زائل ہو جائے، اس سبب سے حسد کرنا اگرچہ بہت مضر ہے مگر عام نہیں ہے، اس لئے کہ آدمی کو ہر کسی سے عداوت نہیں ہوتی۔ ۲؎ کسی شخص میں آدمی ایسا کمال اور ایسی فضیلت دیکھتا ہے جس کو پاسکنے سے اپنے آپ کو عاجز پاتا ہے تو بھی اس سے حسد ہو جاتا ہے یعنی چاہتا ہے کہ میں جب یہ فضیلت حاصل نہیں کرسکتا تو اس کے پاس بھی کیوں رہے، اس خیال سے جی جلتا رہتا

ہے اوراس سے اس نعمت کے زائل ہوجانے کی آرزو کرتا رہتا ہے، یہ حسد کا دوسرا سبب ہے۔

۳۔ بعض آدمی طبعی طور پر کمالات اور نعمتوں کے بارے میں بخیل ہوتے ہیں، دوسروں کے پاس دیکھنا نہیں چاہتے، مگران نعمتوں اور کمالات سے لوگوں کو محروم رکھنا اُن کے قبضے میں نہیں ہوتا کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہیں تو جب جب کسی میں کوئی فضل وکمال یا نعمتوں کی بہتات دیکھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی دَین وعطا سے خفا ہوتے رہتے ہیں، اوراس بندے سے جس کو اللہ تعالیٰ نے یہ نعمتیں دی ہیں جلنے اور حسد کرنے لگتے ہیں، اگرچہ کہ ان کے پاس اس شخص سے بھی زیادہ اور عمدہ نعمتیں کیوں نہ ہوں، حسد کی یہ قسم عام ہے اور سب سے زیادہ خبیث ہے، ایسے حاسد کو کبھی چین وسکون نہیں مل سکتا اس لئے کہ وہ اگر محسود پر قادر ہے تو ظلم وزیادتی کا مرتکب ہوگا اور اگر عاجز ہے تو گھٹن اور جلن کی وجہ سے بے چین و بیمار ہو جائے گا۔

(احیاء علوم الدین: جلد ۳/منتخبات از کتاب الخامس من ربع المہلکات)

حقد وبغض اور حسد کی تحقیق کے بعد اس سلسلے میں اسلامی تعلیمات پیش کی جارہی ہیں، سب سے پہلے متعلقہ تین لفظوں کا مفہوم جان لیں، اس کے بعد پھر آیات واحادیث ذکر کی جائیں گی۔

تین لفظ ہیں **حِقد**، **حَسَد** اور **غِبطَہ**۔ تینوں کے پیچھے تقریباً ایک ہی جذبہ کارفرما ہوتا ہے لیکن تعریف میں تھوڑا تھوڑا فرق ہے اور احکام میں بھی فرق ہے۔

حقد کسی دشمن سے انتقام نہ لے سکنے کی وجہ سے دل میں چھپا کر رکھے گئے بُغض اور موقعِ انتقام کے انتظار کی تکلیف کو کہا جاتا ہے، جسے ہم اردو میں کینہ کہتے ہیں، اس کیفیت کو عربی میں غِلّ، غِش وغیرہ متعدد ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے۔

حسد کسی کے فضل وکمال یا نعمتوں کو دیکھ کر دل میں جلن اور گھٹن ہوکر اس شخص سے وہ کمال یا نعمت زائل ہوجانے کی آرزو پیدا ہوجانے کو کہتے ہیں۔

اور **غِبطَہ** کسی کے فضل وکمال یا نعمتوں کو دیکھ کر اپنے لئے بھی ان چیزوں کی تمنّا کرنے کو کہتے ہیں جب کہ اس سے چھن جانے کی آرزو نہ ہو، قریب قریب یہی مفہوم منافسہ کا بھی

ہے۔ ان تینوں میں سے حِقد وحَسَد تو منافق کی صفات ہیں اور مذموم ہیں، اس کے برخلاف غبطہ اور منافسہ مومن کی صفات ہیں اور غیر مذموم ہیں۔

حِقد اور بغض کی مذمت تو قرآن کریم میں مذکور صحابہ کرامؓ کی دعا وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (یعنی اے اللہ! ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کوئی کینہ پیدا نہ ہونے دیجئے) سے ثابت ہے۔ اور حسد کے مذموم ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے سورۃ الفلق میں وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ (اور ہر حسد کرنے والے کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جب کہ وہ حسد کرے) کہہ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاسد کے حسد سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی ہے۔

غبطہ، منافسہ اور رشک جیسی کیفیات کا مذموم نہ ہونا قرآن کریم کی آیات لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ اور وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ جیسی آیتوں سے معلوم ہوتا ہے۔

۲۔ حسد اور کینے کے نقصانات

اب آگے ہم حقد اور حسد کے نقصانات اور ان سے بچنے کے فوائد بیان کرتے ہیں۔

جہاں تک حِقد اور کینے کا معاملہ ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ (سورۃ الحجر: ۴۷)	اور نکال دیں گے ہم ان کے سینوں میں سے ہر کینے اور بغض کو

علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ہم ان کے دلوں میں چھپی عداوتوں اور کینوں سے ـــ جو دنیا میں بشری تقاضوں سے پیدا ہو گئے ہوں گے۔ ان کے قلوب کو جنت میں داخلے سے قبل پاک صاف کر دیں گے۔

اسی طرح اہل کتاب کے دلوں میں مسلمانوں کے بارے میں موجود حسد کی گرفت کرتے ہوئے فرمایا:

اَمۡ یَحۡسُدُوۡنَ النَّاسَ عَلٰی مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ ۚ (النساء:۵۴)	کیا وہ لوگوں سے اس توفیقِ ہدایت پر حسد کر رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل سے عطا فرمائی ہے۔

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور ان کے اصحاب کو جو اللہ تعالیٰ نے دینی و دنیوی فضائل اور نعمتیں عطا فرمائی ہیں یہودی چاہیں تو ایمان لا کر خود بھی ان کے مستحق ہو سکتے ہیں مگر وہ اس کے بجائے حسد اور جلن میں مبتلا ہو گئے ہیں۔

یہودیوں ہی کے دلوں کا حال بیان کرتے ہوئے دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

وَدَّ كَثِيۡرٌ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ لَوۡ يَرُدُّوۡنَكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ اِيۡمَانِكُمۡ كُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنۡ عِنۡدِ اَنۡفُسِهِمۡ (سورۃ البقرہ:۱۰۹)	مسلمانو! بہت سے اہل کتاب اپنے دلوں کے حسد کی بنا پر یہ چاہتے ہیں کہ تمہارے ایمان لانے کے بعد پلٹا کر پھر سے تمہیں کافر بنا دیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہودی سحر سے نجات دلانے کے لئے جو دعائیں سکھائیں ان میں ایک یہ بھی ہے۔

وَمِنۡ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۝۵ (سورۃ الفلق:۵)	اور (پناہ مانگتا ہوں) حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے۔

حسد کی مذمت جاننے کے لئے ان تین آیات پر اکتفا کیا جاتا ہے جو بہت کافی ہیں، آگے احادیثِ نبویہ درج کی جاتی ہیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ ”پچھلے لوگوں کی یہ بیماری دبے پاؤں تم لوگوں میں پیدا ہو رہی ہے، حسد اور بغض (یہ بیماری) مونڈ دینے والی ہے، یہ نہیں کہتا کہ سر کو مونڈ دیتی ہے بلکہ وہ (تمہارے) دین کو مونڈ دیتی ہے“۔(ترمذی:۴/۵۷۳)

ایک حدیث میں ہے کہ ”مومن کے قلب میں ایمان اور حسد دونوں جمع نہیں ہو سکتے“ (نسائی:2912)

ایک حدیث میں ہے کہ ''ہفتے میں دو دن پیر اور جمعرات کو جنت کے دروازے کھولے جاتے ہیں، اس موقعہ پر ہر توحید پرست بندے کی مغفرت کردی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہیں کرتا، سوائے اس بندے کے جس کے دل میں کسی دوسرے سے کینہ ہو، کہا جاتا ہے اِن دونوں کو رہنے دو جب تک کہ اِن دونوں میں صلح نہ ہو جائے''۔ (مسلم: 2565)

امام بیہقی نے معتبر سند کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا شعبان کی پندرھویں رات میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی طرف خاص توجہ کرکے بے حساب مومنین کی مغفرت فرما دیتا ہے، کفار کو (توبہ و ایمان) کی مہلت عطا فرماتا ہے، اور کینہ وروں کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں فرماتا جب تک کہ وہ کینے سے سینے کو فارغ نہ کرلیں''۔

(الترغیب والترہیب: 4010)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''چغل خوری اور کینہ جہنم میں ہیں، مومن کے قلب میں جمع نہیں ہوسکتے۔ (الترغیب والترہیب: 4078)

ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حاضرین سے ایک گلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ''اس گلی سے ایک صاحب ابھی آنے والے ہیں وہ جنتی ہیں'' لوگ سب اس گلی کی طرف متوجہ ہوئے، ایک سیدھے سادے آدمی وضو بنا کر ادھر سے مسجد میں داخل ہوئے، داڑھی سے پانی ٹپک رہا تھا اور بائیں ہاتھ میں جوتیاں لئے ہوئے تھے، اگلے دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر یہی فرمایا اور پھر وہی صاحب مسجد میں آئے، تیسرے دن آپ نے پھر یہی فرمایا اور اس روز بھی یہی صاحب آئے؛ جب وہ واپس جانے لگے تو عبداللہ بن عمر بن عاص رضی اللہ عنہ اُن کے ساتھ ہو گئے اور ایک ترکیب سے تین دن کے لئے ان کے گھر مہمان بن گئے، تا کہ اس خاص عمل کا پتہ لگائیں جو ان کے جنتی ہونے کی خوش خبری کا سبب ہوا، مگر تین دن رات ساتھ رہنے کے باوجود ان صحابی میں انہوں نے کوئی خاص بات نہیں پائی، تو پھر صاف صاف طور پر انہی سے دریافت کرلیا کہ آپ کے بارے میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین دن تک ہمیں یہ خبر دی ہے، اور میں جاننا چاہتا ہوں کہ آخر وہ خاص عمل کیا ہے؟ جو اللہ تعالیٰ اور

اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس قدر پسند آیا! ان صحابی نے کافی غور کر کے بتایا کہ میں اپنی معاشی مجبوریوں کی وجہ سے فرائض وواجبات کے علاوہ کوئی زیادہ اعمال صالحہ تو کر نہیں پاتا البتہ اگر کوئی عمل اس شرف کا سبب بن سکتا ہے تو میرے خیال میں وہ یہ ہے کہ میں اپنے دل میں کسی مومن کی طرف سے کسی قسم کا کینہ نہیں پاتا اور کسی بندے کی نعمتوں پر جو اللہ تعالیٰ نے اسے دے رکھی ہیں مجھے کبھی حسد نہیں ہوتا۔ حضرت عبداللہ بن عمر بن عاص ؓ نے فرمایا ''بس یہی بات ہے جس نے تمہیں اس بلند مرتبہ پر پہونچایا جس کو ہم نہیں پا سکے۔(مسند احمد: ۱۶۶/۳)

ایک حدیث میں ارشاد نبوی ہے ''کسی بھائی کی مصیبت پر خوشی کا اظہار مت کرو، کہیں اللہ تعالیٰ اسے عافیت دیدے اور تمہیں اس میں مبتلا کر دے'' (ترمذی: ۵۷۱/۴)

ایک طویل حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے '' آپس میں حسد مت کرو اور دلوں میں ایک دوسرے سے بغض مت رکھو، اور .... (بخاری:6066)

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا ''لوگو! حسد سے بچو! اس لئے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے'' (ابوداؤد: ۲۰۸/۵)

ایک حدیث میں ہے کہ '' جب بھی اللہ تعالیٰ کسی بندے پر دنیا کے دروازے کھول دیتا ہے تو ان کے درمیان عداوت اور بغض بھی ڈال دیتا ہے قیامت تک میں بس اس بات سے ڈر رہا ہوں''۔(مسند احمد: ۱۶/۱)

حضرت معاویہ ؓ فرماتے ہیں کہ '' بری عادتوں میں حسد سے بری کوئی عادت نہیں ہے، حسد حاسد کو (جلا جلا کے) محسود سے پہلے ہلاک کر دیتا ہے'' نیز فرماتے ہیں '' ہر شخص کو راضی کرنا ممکن ہے سوائے حاسد کے، اس لئے کہ وہ ہماری نعمت وفضیلت کے زوال کے بغیر راضی ہونے والا نہیں ہے'' ایک بزرگ فرماتے ہیں '' حسد وہ پہلا گناہ ہے جو آسمانوں پر کیا گیا یعنی ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام سے حسد کر کے اور مردود ہوا''۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں '' حسد جسد کو تباہ کر دینے والی بیماری ہے، حاسد کے لئے یہی کیا کم سزا ہے کہ محسود کی ہر خوشی میں وہ غمگین ومحزون رہتا ہے''۔

(ب)
بغض اور حسد سے بچنے کے فوائد:

یہ تو تھے بغض وحسد کے نقصانات، ان امراض سے بچنے اور ان بُری صفتوں سے اپنے دل کو پاک صاف کر لینے کے فوائد وفضائل بھی بہت ہیں، سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آدمی کے دل ودماغ کو سکون رہتا ہے، روح میں تازگی رہتی ہے، قلب روشن رہتا اور حق تعالیٰ کی تجلیوں کا محل بن سکتا ہے، اُوپر جو آیات واحادیث بیان ہوئی ہیں وہ اس مرض کی مذمت کو جاننے اور ماننے کے لئے بہت کافی ہیں، ذیل میں اس سے بچنے کے چند فضائل بھی ملاحظہ فرمالیجئے:

جیسا کہ بتایا جاچکا ہے جب آدمی کو کسی شخص پر کسی وجہ سے غُصہ آتا ہے تو دو صورتیں ہوسکتی ہیں، یا تو وہ اس شخص پر غالب ہوگا اور زبان یا ہاتھ سے بدلہ لے کر اپنے غصے کی آگ اور انتقام کے جذبے کو ٹھنڈا کرلے گا، یا پھر جس پر غصہ آیا ہے وہی شخص غالب ہوگا اس لئے اس سے انتقام لے کر اپنے غُصّے کو ٹھنڈا کرنا ممکن نہ ہوگا تو اس دوسری صورت میں یہ غُصہ دل میں اُتر کر بغض اور کینہ کی صورت اختیار کرلیتا ہے، جس کو حِقد کہتے ہیں، پھر اس حِقد سے حَسَد پیدا ہوجاتا ہے، اور پھر حسد کے نتیجے میں طرح طرح کے گناہوں میں مبتلا ہونا پڑتا ہے۔

بات جب یہ ہے تو حسد کا اصل علاج یہ ہے کہ جس پر غُصہ آئے اس کو درگذر کردے، معاف کردے، معاف کرنا اپنے اختیار سے ہوگا، جب اپنے اختیار ہی سے اسے معاف کردیا تو اب نہ غُصہ رہے گا، نہ غصہ بغض بنے گا اور نہ ہی حسد جیسی مہلک بیماری پیدا ہوگی، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ (سورۃ الاعراف:۱۹۹)

معاف کیا کیجئے، اچھی باتوں کا حکم دیا کیجئے اور جاہلوں کو نظر انداز کردیا کیجئے۔

دوسری جگہ فرمایا:

وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی اور اگر معاف کردو تو یہ ایمان کے زیادہ قریب (صفت) ہے۔ (سورۃ البقرۃ:۲۲۷)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ”تین چیزیں ایسی پکی ہیں کہ ان پر قسم کھائی جاسکتی ہے (انہی میں سے ایک یہ ہے کہ) آدمی اگر کسی کو اس کی زیادتی کے باوجود معاف کردے تو اللہ تعالیٰ اس عمل کی برکت سے قیامت کے دن اس کی عزت ضرور بڑھائے گا“ (ترمذی:)

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”فروتنی اور عاجزی بندے کی سربلندی ہی بڑھاتی ہے، پس تم تواضع اختیار کرو اللہ تعالیٰ تمہیں سربلند کردے گا، معاف کرنا آدمی کی عزت کو بڑھاتا ہے پس معاف کیا کرو اللہ تعالیٰ تمہاری عزت بڑھائے گا۔

(ترمذی:2029)

ایک حدیث میں ہے کہ ”انسانیت اس وقت تک خیریت سے رہے گی جب تک کہ وہ آپس میں حسد کرنے سے بچی رہے گی“ (الترغیب والترہیب: ۳/ ۷ ۵۴)

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ سب سے افضل انسان کون ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا ”ہر مخموم القلب اور صدق اللسان“ پوچھا گیا کہ صدق اللسان تو سمجھ میں آ گیا کہ سچ بولنے والے کو کہتے ہیں یہ مخموم القلب کیا ہے؟ فرمایا ”وہ دل جو تقی یعنی اللہ سے ڈرنے والا نقی (یعنی تمام بری صفات سے پاک ہو) نہ اس میں گناہ ہو نہ کینہ نہ بغض اور نہ حسد“ (ابن ماجہ: ۴۲۱۶)

اگر ہم ان صفتوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت وسنت میں دیکھیں گے تو ان کی زندگیاں ان تمام صفاتِ حسنہ اور اخلاقِ حمیدہ سے متصف ملیں گی، دیکھئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ والوں نے اپنے غلبے کے زمانے میں کتنا کچھ ستایا تھا اور کیا کیا ذلت ورسوائی اور قلبی وجسمانی اذیتوں کا سامان کیا تھا مگر جب آپ غالب ہو کر مکۂ مکرمہ میں فاتحانہ داخل ہوئے تو عام اعلان کرکے سب کو معاف فرمادیا، بلکہ جن لوگوں کے قتل کا حکم دیا تھا ان میں سے بھی اکثروں کو معاف کردیا، جس بندے نے آپ کو کعبۃ اللہ میں داخل ہونے نہیں دیا تھا

مذاق اڑایا تھا اسی کو بلا کر کعبہ شریف کا ہمیشہ کے لئے متولی بنا دیا، اسی کو کہتے ہیں دل کا غِل غِش، کینہ، بغض اور حقد وحسد سے پاک ہونا۔

اسی طرح صدیقِ اکبرؓ کے ایک بھانجے مسطحؓ تھے جن کی خود صدیقِ اکبر کفالت کرتے تھے، وہ حضرت عائشہؓ پر تہمت کے مسئلے میں شریکِ جرم تھے، پھر جب قرآن مجید کی آیتیں نازل ہوئیں اور وحی الٰہی سے حضرت عائشہؓ بری و بے قصور اور مظلوم ثابت ہوگئیں تو حضرت ابوبکرؓ کو اُن لوگوں پر غُصہ آنا جنہوں نے یہ بے پر کی تہمت اڑائی تھی معقول اور فطری بات تھی، بالخصوص اس بندے پر جس پر اُن کی مسلسل مہربانیاں تھیں اور وہی اس کا خرچہ صرفہ دیا کرتے تھے اس پر تو جتنا بھی ان کو غصہ آتا کم تھا، چنانچہ انہوں نے مسطحؓ کی سرپرستی ختم کردینے کا عہد کرلیا، اللہ تعالیٰ کو صدیق سے یہ بات اچھی نہیں لگی اور وحی نازل کر کے پیار بھرے انداز میں تربیت فرمائی:

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٢٢﴾

(سورۃ النور: ۲۲)

تم میں سے جو مرتبے اور گنجائش والے ہیں ان کے لئے یہ بات اچھی نہیں ہے کہ وہ رشتہ داروں، غریبوں اور راہِ خدا میں ہجرت کئے ہوئے لوگوں کو دینے سے رُک جائیں (بلکہ) معاف کردینا اور درگذر کردینا چاہئے، کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ (بھی) تمہاری مغفرت فرمادے؟ اور اللہ تعالیٰ ہی غفور رحیم ہے

مذکورہ آیات، احادیث اور واقعات سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ بغض و حسد جیسی بیماریوں سے اپنے دل کو پاک رکھنا کتنی بڑی فضیلت کی بات ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کا سبب ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں توفیقِ عمل نصیب فرمائے۔ آمین

(ج)

حسد اور بغض کا علاج

۱ـ اس بات میں غور کرنا کہ ہر آدمی کے پاس جو نعمت ہے وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہے، اس سے تنگی محسوس کرنا اور دل کو ناگواری ہونا دراصل اللہ تعالیٰ کے فیصلوں سے ناراض ہونا ہے جو بہت بڑا گناہ ہے۔

۲ـ یہ سوچنا کہ میرے جلنے سے اس کی نعمت تو نہیں جل جائے گی، میں ہی خواہ مخواہ تنگی و تکلیف میں رہوں گا اور وہ مزے میں رہے گا تو پھر اس حماقت کا کیا فائدہ؟

۳ـ نفس چوں کہ اس سے اس نعمت یا فضل و کمال کے چھن جانے کو چاہ رہا ہے تو علاج بضد کے طور پر اس کے لئے اس نعمت کی بقاء اور ترقی کی بار بار دعائیں کرنا۔

۴ـ نفس اس سے نہ ملنے اور عزت نہ کرنے کو چاہ رہا ہے اس لئے بہ طور علاج اس سے از خود ملاقات کرتے رہنا اور خوب عزت و احترام کا معاملہ کرنا۔

۵ـ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہے کہ وہ اس مرض سے نجات عطا فرمائے، خاص طور سے قرآن کریم کی یہ دعا: رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۔ آمین

۷

الشُّحّ و البُخلُ
بخل اور کنجوسی

(الف)
بخل اور کنجوسی کی تعریفات

بخل اور شُح دو صفتیں ہیں جو ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں، بخل کے معنی ہیں نفس کا اپنی مملوکات کو خرچ کرنے سے باز رہنا اور شُح کے معنی ہیں دوسروں کا مال خرچ ہونے سے بھی اپنے نفس کو گرانی ہونا، ظاہر ہے کہ دوسری کیفیت پہلی سے بھی زیادہ قبیح ہے، یعنی بخل تو مذموم ہے ہی شُح اس سے زیادہ مذموم ہے۔

امام جرجانیؒ کہتے ہیں بعض حضرات نے یہ تعریف کی ہے کہ بخل ضرورت کے وقت ایثار یعنی اپنے اوپر دوسرے کو ترجیح دینے سے کام نہ لینے کو کہتے ہیں، بعض حضرات نے یہاں تک کہا ہے کہ بخل صفاتِ انسانی کی جگہ صفاتِ حیوانی پیدا ہوجانے کا نام ہے۔ (التعریفات:33)

علامہ مناویؒ فرماتے ہیں بخل ضرورت سے زائد مال کو ضرورت کے مواقع میں صرف نہ کرنے کو کہتے ہیں، امام قرطبیؒ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے جہاں خرچ کرنے کو لازم قرار دیا ہے وہاں نہ خرچ کرنے کو بخل کہا جاتا ہے۔ (قرطبی: ۵/۱۲۶)

اور شُح کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ شُح یہ ہے کہ بخل کے ساتھ حرص بھی جمع ہوجائے، یا بخل کے معنی اپنے پاس موجود کو خرچ نہ کرنا اور شح کے معنی جو موجود نہیں ہے اس

کے حصول کی ہوس رکھنا ہے۔(قرطبی: ۴/ ۱۸۲)

ماوردی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بخل کے ذریعہ آدمی میں مزید چار اخلاقی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں (۱) حرص (۲) شرہ یعنی شدید حرص (۳) بدگمانی (۴) حق تلفی؛ جب آدمی میں یہ چار بدترین عادتیں اور مذموم صفتیں پیدا ہو جاتی ہیں تو پھر اس میں نہ کچھ خیر باقی رہتا ہے اور نہ ہی اس سے کسی بھلائی کی توقع کی جا سکتی ہے۔(ادب الدنیا والدین: ۲۲۸)

ابن قدامہ مقدسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بخل کے کئی درجے ہیں اور سب سے مذموم درجہ یہ ہے کہ آدمی خود اپنی ذات پر ضرورت کے باوجود پیسہ خرچ نہ کرے، مثلاً بیمار ہو تو دوا میں خرچ نہ کرے، کھانے پینے وغیرہ کی خواہشات کو برداشت کرتا رہے مگر پیسہ خرچ ہو جانے کے ڈر سے ان کو پورا نہ کرے۔(الاستقامہ: ۲/ ۲۶۳)

۱ بخل اور کنجوسی کے نقصانات

قرآن کریم میں چار مقامات پر شح کی اور چھ مقامات پر بخل کی مذمت بیان کی گئی ہے، چند آیات ملاحظہ کیجئے:

بخیلوں کو تنبیہ کرتے ہوئے اور ان کی خوش فہمی کو ختم کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہے ہیں:

وَلَا یَحۡسَبَنَّ الَّذِیۡنَ یَبۡخَلُوۡنَ بِمَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ هُوَ خَیۡرًا لَّهُمۡ ؕ بَلۡ هُوَ شَرٌّ لَّهُمۡ ؕ سَیُطَوَّقُوۡنَ مَا بَخِلُوۡا بِهٖ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ ؕ (سورۃ آل عمران: ۱۸۰)

اور جو لوگ اللہ کے دیئے ہوئے (مال) میں بخل سے کام لیتے ہیں وہ ہرگز یہ نہ سمجھیں کہ یہ ان کے لئے کوئی اچھی بات ہے، اس کے برعکس یہ اُن کے حق میں بہت بُری بات ہے۔ جس مال میں انہوں نے بخل سے کام لیا ہے، قیامت کے دن وہ اُن کے گلے کا طوق بنا دیا جائے گا۔

آیت کی شانِ نزول میں اگرچہ متعدد اقوال ہیں تاہم اس کا عموم صفتِ بخل کو صراحتاً

بیان کررہا ہے، بتایا جارہا ہے کہ بعض بخیل اس بُری صفت کو بھلی سمجھتے ہیں حالاں کہ وہ سراسر بری ہے، بخل میں یہی کیا کم بُرائی ہے کہ بخل نے جس مال کو اہل حقوق کے حق ادا نہ کرکے جمع کرر کھا ہے اس کا طوق بنا کر گلے میں ڈال دیا جائے گا۔

ایک جگہ بخل کے انجام اور بخیلوں کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا:

هَآنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ

(سورۃ محمد: ۳۸)

دیکھو! تم ایسے ہو کہ تمہیں اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کے لئے بلایا جاتا ہے تو تم میں سے کچھ لوگ ہیں جو بخل سے کام لیتے ہیں، اور جو شخص بھی بخل کرتا ہے، وہ خود اپنے آپ ہی سے بخل کرتا ہے۔ اور اللہ بے نیاز ہے، اور تم ہو جو محتاج ہو۔

پیچھے سے یہود کے بخل کا ذکر چلا آرہا ہے، اسی سلسلے میں یہ فرمایا جارہا ہے کہ ان کا بخل ان ہی کو نقصان پہونچائے گا، اللہ تعالیٰ تو محتاج نہیں ہے بندوں کی مصلحت اور تربیت کی خاطر انفاق اور راہِ خدا میں خرچ کرنے کی ترغیب و تعلیم دیتا ہے، اب اگر بخیل ناعاقبت اندیشی سے کام لے گا تو اس میں اسی کا نقصان ہے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ۭ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۱۶

(سورۃ التغابن: ۱۶)

لہٰذا جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو، اور سنو اور مانو، اور (اللہ کے حکم کے مطابق) خرچ کرو، یہ تمہارے ہی لئے بہتر ہے۔ اور جو لوگ اپنے دل کی لالچ سے محفوظ ہوجائیں، وہی فلاح پانے والے ہیں۔

درمنثور میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جب اللہ تعالیٰ

نے جنت العدن کو پیدا فرمایا تو اپنے عزت وجلال کی قسم کھا کر فرمایا کہ ''تیرے اندر بخیل داخل نہ ہوگا'' پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی **وَمَنۡ يُّوۡقَ شُحَّ نَفۡسِهٖ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ**، اسی طرح حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ وہ طوافِ بیت اللہ کے دوران ایک ہی دعا بار بار کررہے تھے کہ ''اے اللہ مجھے شُحِ نفس سے بچا لیجئے'' کسی نے پوچھا کہ آپ بس یہی ایک دعا فرما رہے ہیں؟ تو فرمایا کہ ''اگر میں شُح اور بخل سے بچالیا گیا تو پھر نہ چوری کروں گا نہ زنا کروں گا اور نہ کسی اور برائی میں مبتلا ہوں گا۔

یہ تو بخل کی مذمت سے متعلق آیاتِ شریفہ تھیں، جہاں تک احادیثِ شریفہ کا تعلق ہے تو بخل اور شُح دونوں کے بارے میں بہت احادیث ملتی ہیں، نمونے کے طور پر چند ملاحظہ فرمائیں:

حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ لوگوں کو پانچ چیزوں سے پناہ مانگنے کے لئے کہتے تھے اور اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل بتلاتے تھے (بخاری: ۶۳۷۰) ان پانچ میں دو بخل اور جبن ہیں اور دونوں ایک دوسرے کے ساتھی ہیں، باقی تین بدترین بڑھاپا، دنیا کی آزمائشیں اور قبر کا عذاب ہیں۔ ظاہر ہے کہ جس چیز سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنا سکھایا گیا ہو وہ انتہائی بُری ہی ہوگی۔

حضرت جریر بن عبداللہ البجلیؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی غریب رشتہ دار کسی مال دار رشتہ دار کے پاس جاکر کچھ مدد طلب کرے اور وہ بخل کی وجہ سے اس کی مدد نہ کرے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے واسطے جہنم سے شجاع نامی سانپ کو نکلوا کر اس کے گلے میں ڈلوادیں گے۔ (مجمع الزوائد: ۸/ ۱۵۴)

ایک حدیث میں ہے کہ ''آدمی میں جو بدترین خصلت ہوسکتی ہے وہ خوف وخطرات میں مبتلا کردینے والا شُح اور بے چین وحیران رکھنے والا جُبن ہے''۔ (مسندِ احمد: ۶/ ۳۰۲)

ایک حدیث میں ہے کہ کسی مومن بندے کے دل میں ایمان اور بخل ایک ساتھ کبھی جمع نہیں ہوسکتے''۔ (مسند احمد: ۱۲/ ۴۵۰) ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ایک

روزہ دار و عبادت گذار خاتون کی تعریف کرتے ہوئے کہا گیا کہ البتہ اس میں اتنی کمی ہے کہ بخیل ہے، آپ نے فرمایا ''پھر اس میں کیا بھلائی بچی ہے؟''۔ یعنی بخل نے اس کی خوبیوں پر پردہ ڈال دیا۔

ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ سے پوچھا گیا: کیا مومن بخیل ہوسکتا ہے؟ تو آپ نے نفی میں جواب دیا۔

ایک حدیث میں ہے کہ شح سے بچو، اس لئے کہ اس صفت نے تم سے پہلی اقوام کو ہلاک کیا، اسی شح کی وجہ سے انہوں نے آپس میں خون خرابے کئے اور حرام چیزوں کو حلال کیا۔

(مسلم:2578)

ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی دعاؤں میں جُبن اور بخل سے پناہ مانگی ہے، (بخاری:6369)

محمد بن منکدرؒ فرماتے ہیں ''کوئی بیماری بخل کی بیماری سے زیادہ خطرناک نہیں ہوسکتی''

(فتح الباری:3137)

ایک حدیث میں ہے کہ تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں: (۱) نفسانی خواہشات کا اتباع، (۲) شح یعنی بخل کے تقاضوں پر عمل، (۳) اور آدمی کا اپنے آپ پر ناز کرنا''۔

(مجمع الزوائد: ۱/ ۹۱)

ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے قیامت کی علامات بتلاتے ہوئے فرمایا: ''وقت سکڑ جائے گا، عمل گھٹ جائے گا، (دلوں میں) بخل ڈال دیا جائے گا.... وغیرہ۔ (بخاری:6037) حدیث کی تشریح کرتے ہوئے حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: ''قلوب میں شُح جو ڈال دیا جائے گا وہ لوگوں کے حالات کے اعتبار سے مختلف ہوگا، مثلاً عالم کا بخل یہ ہوگا کہ وہ تعلیم وارشاد بند کردے گا، ہنرمندوں کا بخل یہ ہوگا کہ وہ دوسروں کو ہنر سکھانا چھوڑ دیں گے، اور مال داروں کا بخل یہ ہے کہ وہ اپنا مال ناداروں پر خرچ نہیں کریں گے۔

(فتح الباری: ۱۳/ ۱۷)

بخل اور شح کی مذمت جاننے اور ان بیماریوں سے نکلنے کی فکر پیدا ہونے کے لئے مذکورہ بالا تفصیلات بہت کافی ہیں، بخل اور شح کے مقابلہ میں جود وسخا ہیں آگے اُن کے فضائل وفوائد ذکر کئے جاتے ہیں۔

(ب)

بخل اور شح سے بچنے کے فوائد وفضائل:

بخل اور شح جب مذموم صفات ہیں تو اُن سے بچنا ضروری ہے، ان سے بچنے کے لئے آدمی کو جود وسخا کی مشق کرنی چاہئے، یہ عمدہ اور پسندیدہ صفات ہیں، طبیعت اگر جمع پونجی کو ضرورت کے مواقع پر صرف کرنے سے بچتی اور ہچکچاتی ہے تو عقل کو طبیعت پر غالب کر کے سخاوت سے کام لینا چاہئے، اس کی کتاب وسنت میں بہت فضیلت آئی ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗۤ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴿١١﴾ (سورۃ الحدید:۱۱)

کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسنہ دے پھر وہ اس کو چند در چند کر کے لوٹا دے اور اس کے لئے بہترین اجر ہو۔

دوسری جگہ فرمایا:

اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴿١٨﴾ (سورۃ الحدید:۱۸)

یقیناً صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسنہ دیا ہے ان سب کے لئے اللہ تعالیٰ اس کو چند در چند کر کے واپس کرے گا، اور ان کے لئے بہترین اجر ہے۔

علامہ آلوسی رحؒ بعض علماء سے نقل فرماتے ہیں کہ راہِ خدا میں دیا ہوا مال دس صفتوں کے

پائے جانے سے قرض حسن کہلاتا ہے،(۱) حلال مال سے دیا گیا ہو،(۲) اپنے پسندیدہ مال میں سے دیا گیا ہو،(۳) صحت منداورضرورت مند ہونے کی حالت میں دیا گیا ہو،(۴) زیادہ ضرورت مند کو دیا گیا ہو،(۵) چھپا کر دیا گیا ہو،(۶) اس کے بعد احسان نہ جتایا گیا ہو،(۷) صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے ارادہ سے دیا گیا ہو،(۸) جتنا بھی دیا گیا ہو اسے کم سمجھا گیا ہو،(۹) پسندیدہ مال دیا گیا ہو،(۱۰) لینے والے کی آبرو کا خیال رکھ کر دیا گیا ہو۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے راہِ خدا میں خرچ کرنے کو قرضِ حسنہ سے تعبیر فرما کر بندوں کے بخل کو دور کرنے کا انتظام فرمادیا ہے، آدمی اپنی دولت اور اپنا مال کسی اور کو نہیں دینا چاہتا تو کم از کم قرضہ تو دے دے، جو کسی کا کام نکلنے کے بعد لوٹ آتا ہے، اور اگر قرضہ لینے والا بہت کریم اور سخی ہے تو یہ قرضہ مزید اکرام اور اضافہ کے ساتھ واپس لوٹے گا؛ پس اللہ تعالیٰ سے زیادہ کریم کون ہوگا؟ اور اس سے بڑھ کر وفا و سخا کی کس سے توقع کی جاسکتی ہے؟ ان آیات میں دراصل انفاق فی سبیل اللہ کی فضیلت اور بخیل وحریص لوگوں کے لئے ترغیب و تشویق ہے۔

ایک آیت میں ہے:

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۳۹﴾ (سورۃ السبا)

تم جو راہ خدا میں خرچ کرتے ہو وہ واپس مل جاتا ہے، کیوں کہ خدا تعالیٰ خود ہی بہترین روزی رساں ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اس کے محتاج بندوں یا اپنے اہل و عیال کی ضرورتوں میں صرف کرنا خرچہ نہیں ہے، دیکھنے میں تو یہ مال جارہا ہے مگر وہ لوٹ کر ہمیں کو ملنے والا ہے، وہی مال یا پھر اس کا اجر وثواب۔

اسی طرح حدیثوں میں بھی انفاق کی بہت فضیلت آئی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ’’ہر صبح کو دو فرشتے زمین پر اُتر کر اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! خرچ کرنے والے کو عطا کر، اور روک کے رکھنے والے کا مال ضائع فرمادے‘‘ (بخاری:1442)

ایک حدیث میں ہے کہ ''رشک کرنے کے قابل دو لوگ ہیں ایک وہ جسے اللہ تعالیٰ علم عطا فرمائے اور وہ صبح شام اس کی تعلیم و تبلیغ کرتا رہے، دوسرا وہ جسے اللہ تعالیٰ مال عطا فرمائے اور وہ دن رات اللہ کے بندوں کی ضروریات پر صرف کرتا رہے'' (بخاری:73)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم غزوۂ حنین سے جب واپس ہو رہے تھے تو راستے میں بعض دیہاتیوں نے آپ کو روک لیا اور آپ کی چادر مبارک پکڑ کر ایک ببول کی جھاڑ سے بھڑا دیا، آپ کی چادر اس میں پھنس گئی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان سے فرمایا ''ارے لوگو! میری چادر تو دے دو، میرے پاس اگر اس درخت کے پتوں یا کانٹوں کے برابر اونٹ ہوں تو سب خیرات کر دوں گا، تم لوگ مجھے نہ بخیل پاؤ گے نہ جھوٹا نہ بزدل''۔ (بخاری:3148)

ایک دیہاتی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ڈھیر ساری بکریاں مانگیں تو آپ نے عطا فرما دیں، اس نے جا کر گاؤں والوں سے کہا: لوگو! تم سب بھی مسلمان ہو جاؤ، محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) تو ایسے سخی آدمی ہیں کہ وہ فقر اور محتاجی سے ڈرتے نہیں بس عطا فرماتے رہتے ہیں۔ (مسلم:2312)

ایک حدیث میں ہے کہ اوپر والا یعنی دینے والا ہاتھ نیچے والے یعنی لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے'' (بخاری: 1472) یعنی خیر خیرات کی عادت سوال کرنے اور مانگتے پھرنے کی عادت سے بہتر ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ ''سخی آدمی اللہ تعالیٰ کا مقرب ہوتا ہے، لوگوں کا مقرب ہوتا ہے اور جنت سے قریب اور دوزخ سے دور ہوتا ہے اور جاہل سخی اللہ تعالیٰ نزدیک بخیل عالم سے زیادہ محبوب ہے''۔ (بخاری:1961)

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں ''دنیا میں انسانوں کے سردار اسخیاء یعنی سخاوت کرنے والے لوگ ہیں اور آخرت میں اتقیاء یعنی متقی لوگ ہیں۔

مشہور واقعہ ہے کہ حضرت معاویہؓ نے ایک دن صدیقہ عائشہؓ کے پاس تھیلا بھر درہم بھجوائے انہوں نے محلّے کی محتاج خواتین کو بلا کر سب تقسیم کروا دیا، اس دن وہ روزے سے تھیں، اپنے افطار کے لئے بھی اس میں سے کچھ رکھنا انہیں یاد نہ رہا، باندی کے یاد دلانے پر

فرمایا پہلے بتاتی تو ایک آدھ درہم رکھ لیتی، اب کیا کروں؟

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صفّہ پر تشریف لائے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ کھجوریں رکھی دیکھیں، آپ کے دریافت کرنے پر انہوں نے بتلایا، یہ کھجوریں میں نے آپ کے مہمانوں کے لئے اٹھا رکھی ہیں تاکہ ضرورت پر پریشانی نہ ہو، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ”تمہیں ڈر نہیں لگا کہ یہ جہنم کی آگ کا دھواں بن جائیں؟ بلال! جو کچھ بھی ہو خرچ کر دیا کرو اور عرش کے مالک پر بھروسہ رکھو وہ تمہاری روزی کم نہیں کرے گا“۔ (شعب الایمان:1346)

ان آیات، احادیث اور واقعات میں سخاوت اور جودوکرم کی کیسی عمدہ مثالیں ہیں، اللہ تعالیٰ توفیقِ عمل نصیب فرمائے۔ آمین

(ج)

بخل اور کنجوسی کا علاج

۱۔ ان آیات و احادیث میں بخل کی جو مذمت آئی ہے اس کا مطالعہ اور مذاکرہ کرتے رہنا۔

۲۔ سخاوت کے فضائل اور واقعات کا مطالعہ اور مذاکرہ کرتے رہنا۔

۳۔ جی نہ چاہنے کے باوجود اپنے مال بالخصوص جمع کردہ مال میں سے دوسروں پر کچھ نہ کچھ صرف کرتے رہنا۔

۴۔ اہل وعیال کی ضروریات میں اپنی گنجائش کے دائرہ میں کمی نہ کرنا۔

۵۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہنا کہ وہ بخل سے نجات دے اور سخاوت عطا کرے۔ بالخصوص مسنون دعائیں مفہوم کے استحضار کے ساتھ پڑھتے رہنا، مثلاً اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْکَسْلِ وَالجبْنِ وَالْبُخْلِ وَالْھَرَمِ وَعَذَابِ الْقَبرِ۔

(نسائی:5468)

۸

حُبُّ الجاہِ و الشہرۃ

مرتبوں اور شہرت کی محبت

(الف)

شہرت اور مناصب کے نقصانات

امراض قلب میں یہ مرض بھی بہت خطرناک ہے، اس کی وجہ سے طرح طرح کے اور موذی امراض پیدا ہو جاتے ہیں، بسا اوقات یہ مرض اس قدر مخفی ہوتا ہے کہ اچھے اچھے دین داروں کو اس کی موجودگی کا احساس نہیں ہو پاتا، مگر وہ اس کے ظاہری و باطنی مضرات و اثرات بھگتتے رہتے ہیں، اس لئے کہ مرض خواہ کتنا ہی مخفی کیوں نہ ہو اپنا اثر دکھائے بغیر نہیں رہتا، بلکہ مخفی امراض اور بھی خطرناک ہوتے ہیں، جیسے کینسر کہ وہ عام طور سے ایسے اسٹیج میں ظاہر ہوتا ہے جب کہ وہ معالج کے قابو سے باہر ہو چکا ہوتا ہے، حالاں کہ پہلے سے موجود ہوتا اور بڑھتا رہتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت جنید بغدادیؒ کے دور میں ایک عالم دین قاضی رویم ہوا کرتے تھے، وہ صوفیاء اور زاہدوں کی جماعت میں زاہد مشہور تھے، خلیفہ نے انہیں قضاءت کے منصب کے لئے طلب کیا تو انہوں نے قبول فرمالیا، جب جنید بغدادیؒ کو معلوم ہوا تو انہوں نے ان کی تنبیہ اور توجہ دہانی کے لئے فرمایا کہ ''اگر کسی شخص کو اپنا راز ایسے آدمی کے پاس امانت رکھوانا ہو جو کبھی کسی پر ظاہر نہ کرے تو اس کو چاہیئے کہ قاضی رُوَیم کے پاس رکھوائے،

اس لئے کہ انہوں نے اپنے دل میں عہدہ کی تمنا چالیس برس تک اس طرح چھپائے رکھی تھی کہ کسی پر ظاہر نہ ہوسکی‘‘۔

بہر حال شہرت اور عہدوں کی محبت ایک مہلک مرض ہے، اس مرض کی کسی تشریح و توصیف کی ضرورت نہیں عام طور سے لوگ اس میں مبتلا ہیں اور سب ہی جانتے ہیں، اس لئے کتاب وسنت کی روشنی میں اس کی مذمت بیان کرنے پر اکتفاء کیا جارہا ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے جنت اور آخرت کی نعمتوں کے حق داروں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَافَسَادًا	یہ آخرت کا گھر ہے جو ہم نے ان لوگوں کے لئے بنایا ہے جو زمین میں سرکشی اور فساد نہیں چاہتے۔

(سورۃ القصص: ۸۳)

علامہ آلوسیؒ نے حضرت عکرمہؒ سے آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ علو فی الارض سے مراد تکبر کرنا اور بادشاہوں امیروں کے ہاں عہدے اور مرتبے طلب کرنا (یعنی حبِّ جاہ و منصب کی بیماری میں مبتلا ہونا) ہے، اور فساد سے مراد معاصی ومظالم میں ابتلا ہے،...... اور فضیل بن عیاضؒ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس آیت کو تلاوت کیا تو فرمایا ’’اسی آیت نے (میری) تمام آرزؤں اور تمناؤں کو ختم کردیا ہے‘‘۔ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ اسی آیت کو پڑھتے ہوئے اس دنیا سے تشریف لے گئے،...... حضرت علیؓ فرماتے تھے ’’اگر آدمی (اپنے فخر یا دوسرے کی تحقیر کے لئے) اپنی چپل کا تسمہ دوسرے کی چپل کے تسمے سے بہتر دیکھنا چاہتا ہے تو وہ بھی اسی آیت کی وعید میں داخل ہے‘‘۔ یعنی يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ کا مصداق ہے‘‘۔ اللہ اکبر! (روح المعانی: ۲۰/۱۲۶)

حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن سمرہؓ سے فرمایا ’’تم کسی منصب اور امارت کو طلب نہ کرنا، اس لئے کہ مانگ کر لئے گئے عہدوں میں اللہ تعالیٰ کی مدد

نہیں ہوتی۔ ہاں! بلا مانگے ملنے والے عہدے میں اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہوتی ہے‘‘ (مسلم:1652)

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے قبیلے کے دو لوگ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ ہمیں حکومت کے کسی کام پر مامور فرما دیجئے، آپ نے فرمایا ’’ہم کسی منصب کے طلب کرنے اور اس کی حرص رکھنے والے سے کام نہیں لیتے‘‘ (بخاری:7149)

ایک حدیث میں ہے کہ ’’جو شخص لوگوں سے اپنی تکریم و تعظیم کی خواہش رکھتا ہے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے‘‘ (ابوداؤد:5229) یعنی بڑا بننے کا شوق اس قدر مذموم عمل ہے جو جہنم میں لے جاتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ ’’جو شخص قاضی بن گیا یا اسے قضاءت پر تقرر کر دیا گیا تو گویا کہ وہ بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا‘‘ (ترمذی:1325) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ’’چھری سے ذبح کیا جائے تو پھر بھی آرام کے ساتھ بہت جلدی ذبح ہو جاتا ہے لیکن بغیر چھری کے ذبح ہونے والا تڑپ تڑپ کر بڑی تکلیف و تاخیر سے مر سکے گا‘‘ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بغیر چھری کے فرمایا۔

ایک حدیث میں ہے کہ ’’امارت اور خلافت کا منصب ایسا ہے کہ اس کی ابتداء ملامت ہے، درمیان ندامت اور انتہا عذاب میں ابتلا ہے، سوائے اس کے جس نے عدل و انصاف سے کام کیا تاہم سوچنا چاہیئے کہ آدمی اپنے اقرباء و احباب کے ساتھ کیسے عدل کر سکے گا؟ (الترغیب والترہیب:3154) یعنی فطرت پر تعلقات یا رشتہ داری عدل میں مانع آجانے کا خدشہ ضرور ہے، اس لئے ہر ممکن کوشش تو یہی ہو کہ مناصب سے دور رہے، البتہ اگر ضرورت کا تقاضہ ہو اور نااہل کے مقرر ہو جانے کا خطرہ ہو یا پھر قوم نے زبردستی اس کے سر یہ ذمہ داری ڈال دی ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کی مدد طلب کرتے ہوئے نہایت عدل و انصاف کے ساتھ اس ذمہ داری کو نبانا ہے۔

ایک اور حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی منقول ہے کہ ’’دو بھوکے بھیڑیئے

بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دئے جائیں تو وہ ان بکریوں کو اتنا نقصان نہیں پہونچائیں گے جتنا کہ آدمی کے دین کو مال کی حرص اور مرتبوں کی ہوس نقصان پہنچاتی ہے" (ترمذی:2376)

علامہ عبدالرؤف مناویؒ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حدیث کا مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ مال اور مرتبے کی ہوس اور حرص دین کو اس سے بھی زیادہ نقصان پہونچاتی ہے جتنا کہ دو بھوکے بھیڑئے بکریوں کو پہونچا سکتے ہیں، اس لئے کہ یہ حرص و ہوس ایسی صفت ہے جو حریص کے جذبات کو بھڑکا کر اسے مُضر اور نقصان دہ چیزوں میں مبتلا کردیتی ہے، چوں کہ بندوں کا دوسروں پر بڑائی و برتری جتانا اور فتنہ وفساد برپا کرنا مذموم و معیوب بات ہے اس لئے اس کی حرص وطلب بھی مذموم قرار دی گئی، ورنہ حرص فی نفسہٖ آدمی کی ضرورت ہے مگر بہ قدرِ ضرورت، جب وہ قدرِ ضرورت سے بڑھ جاتی ہے تو مذموم ہوجاتی ہے، حکیم ترمذیؒ نے فرمایا ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے اس امت میں حرص کی صفت رکھی ہے لیکن ایمان والوں کی حرص کو توحید ویقین کی لگام سے کس دیا ہے اور اسباب حرص کو ان کے حق میں اپنے جمال کے نور سے کاٹ دیا ہے، پس جس مومن کے دل میں جتنا نورِ یقین ہوگا اسی قدر اس کی حرص قابو میں رہے گی، اور اگر اس کی حرص قابو سے نکل جاتی اور نورِ یقین سے آزاد ہوجاتی ہے تو نفس اسے بھڑکا کر حد سے باہر کردیتا ہے جس کے نتیجے میں وہ فساد و ہلاک کا سبب بن جاتی ہے"۔ (فیض القدیر:۵/۵۷۸)

بہر حال عہدوں اور منصبوں اسی طرح شہرت و وجاہت کا شوق آدمی کے دین کو برباد اور عزت کو ہلاک کردیتا ہے، اس لئے اس بدترین مرض سے بچنے کا اہتمام کرنا چاہیئے۔

(ب)

شہرت اور طلبِ جاہ سے بچنے کے فوائد

اللہ تعالیٰ کا ارشاد پیچھے گذر چکا ہے کہ

تِلۡكَ الدَّارُ الۡاٰخِرَةُ نَجۡعَلُهَا لِلَّذِيۡنَ لَا يُرِيۡدُوۡنَ عُلُوًّا فِى الۡاَرۡضِ وَلَا فَسَادًا ‌ؕ وَالۡعَاقِبَةُ لِلۡمُتَّقِيۡنَ (سورۃ القصص: ۸۳)

یہ آخرت کا گھر ہے جو ہم نے ان لوگوں کے لئے بنایا ہے جو زمین میں سرکشی اور فساد نہیں چاہتے، اور بہتر انجام تو متقیوں کا ہے۔

معلوم ہوا کہ شہرت اور مرتبوں کی ہوس کوئی پسندیدہ چیز نہیں ہے، یعنی آدمی کو از خود اس سے دور رہنا چاہیے، باقی اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے شہرت مل جائے یا کسی منصب و مرتبے پر فائز کیا جائے جس میں اس کی تمنا اور کوشش کا دخل نہ ہو تو پھر یہ کوئی مذموم چیز نہیں، بلکہ ایسی صورت میں خود اللہ تعالیٰ اس کا حامی و مددگار ہوتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گم نام اور متواضع مومن کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

رب اشعث اغبر مدفوع بالابواب لو اقسم علی اللہ لأبرہ (مسلم:2736)

بہت سے بکھرے بال پراگندہ حال لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اگر وہ اللہ کے بھروسے کسی کام کی قسم کھا بیٹھیں تو اللہ انہیں ضرور پوری کرتا ہے۔

اسی طرح ایک حدیث میں ہے ''تھوڑی ریاکاری بھی شرک ہے، اللہ تعالیٰ ایسے گم نام و پرہیزگار بندوں سے محبت فرماتا ہے کہ جو غائب ہو جائیں تو کسی کو تلاش کی فکر نہ ہو اور حاضر ہوں تو کوئی دھیان نہ دے، ان کے قلوب ہدایت کے چراغ ہیں'' (ابن ماجہ:3989)

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں ''لوگو! علم کے چشمے اور ہدایت کے چراغ بنو، گم نامی سے گھر کی چٹائی کی طرح ہو جاؤ، راتوں کے چراغ، دل کے زندہ، لباس کے سادہ بن جاؤ، آسمانوں میں معروف ہو جاؤ اور زمین پر اجنبی بن جاؤ''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد نقل فرمایا کہ ''میرا قابلِ فخر دوست وہ مومن بندہ ہے جو نادار اور مختصر خاندان والا ہے، خوب نمازیں پڑھتا اور اپنے رب کی اچھی بندگی کرتا ہے،

چھپ کے اطاعت کرتا ہے، لوگوں میں گم نام اور اجنبی سا رہتا ہے، کوئی اس کی طرف دھیان بھی نہیں دیتا، اس سب کے باوجود صبر و رضا کا دامن تھامے ہوئے ہوتا ہے'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس حدیثِ قدسی کے نقل کرنے کے بعد چٹکی بجا کر فرمایا ''جلدی مر گیا، چند وارث چھوڑے اور چند ہی رونے والے'' (مسند احمد: 22229)

معلوم ہوا کہ گم نامی، سادہ مزاجی اور ہلکی پُھلکی زندگی بہت کام کی چیز اور پسندیدہ حالت ہے، جب کہ جاہ طلبی اور شہرت و مراتب کے چکّر میں رہنا ناپسندیدہ اور معیوب ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ ''جو شخص اپنے بھائی مسلمان کے لئے تواضع اور فروتنی اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بلند مقام کر دیتا ہے اور جو اس کے مقابلے میں تکبر اور سربلندی کا طالب ہوتا ہے اسے ذلت و رسوائی میں مبتلا فرما دیتا ہے'' (شعب الایمان: ۷۹۶۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دعا فرمایا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اَحۡیِنِیۡ مِسۡکِیۡنًا وَ اَمِتۡنِیۡ مِسۡکِیۡنًا وَاحۡشُرۡنِیۡ فِیۡ زُمۡرَۃِ الۡمَسَاکِیۡنِ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ

اے اللہ! مجھے مسکین زندگی دے اور مسکینوں کی موت عطا فرما اور مسکینوں کے ہی گروہ میں محشور فرما۔

(ترمذی: 2471)

نہ صرف یہ کہ یہ دعا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرمایا کرتے تھے بلکہ عملاً بھی اپنی پوری زندگی آپ نے اسی کے مطابق بنا رکھی تھی؛ باوجود امام الانبیاء اور بزرگ بعد از خدا ہونے کے بھی کبھی کسی نے آپ کو بڑائی جتاتا ہوا اور امتیازی رویہ اپناتا ہوا نہیں دیکھا، یہ معمولی عجز و بندگی نہیں ہے، خود فرماتے تھے: ''میں غلاموں کی طرح کھاتا ہوں اور غلاموں کی طرح بیٹھتا ہوں''۔ (مجمع الزوائد: 1919) ضرورت ہوتی تو گدھے پر سواری فرمالیتے تھے۔ (بخاری: 5964) اپنا جوتا خود گانٹھ لیتے تھے، دودھ دوہ لیتے تھے، کپڑا سی لیتے تھے اور ہر وہ کام جو ایک عام آدمی اپنے گھروں میں کر لیتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وہ سب کام کر لیا کرتے تھے، (شرح السنۃ: ۱۳/ ۲۴۲)

ان سب روایات سے معلوم ہوا کہ کسرِ نفسی عاجزی اور بندگی کی شان نبیوں کا مقام ہے

اور سرکشی بلندی اور منصب و وجاہت طلبی فرعون اور نمرود کا مزاج ہے۔

(ج)

شہرت پسندی کا علاج

۱۔ جو نقصانات کتاب وسنت کی روشنی میں نقل کئے گئے ہیں ان کا مطالعہ اور تذکرہ کرتے رہنا۔

۲۔ یہ سوچنا کہ دنیا اور دنیا کی ہر چیز فانی ہے، اگر کوئی آدمی مسجودِ خلائق بھی ہو گیا تو پچاس سال نہیں گزریں کہ نہ ساجد زندہ رہے گا نہ مسجود، سب کو موت کے منہ میں اور قبر کے گڑھے میں جانا ہے، تو پھر ان فانی مرتبوں کو لے کر کیا چار دن شان کرنا ہے؟

۳۔ اللہ تعالیٰ سے اہتمام کے ساتھ دعا کرتے رہنا کہ وہ اپنی پناہ میں رکھے اور ہر قسم کے ناپسندیدہ صفات سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

۹

حُبُّ الدنیا و المال

دنیا اور مال کی محبت

(الف)

حُب دنیا اور حُب مال کی تحقیق و تعریف

دنیا کی محبت بھی دل کی ایک مہلک بیماری ہے، اور منافقوں کی نشانی ہے، بلکہ احادیث میں اس بیماری کو رأس کل خطیئۃ یعنی ہر گناہ کی جڑ قرار دیا گیا ہے، کیوں کہ دنیا کی محبت ہی کی وجہ سے آدمی اتباعِ شہوات، کسبِ حرام، تطفیف یعنی لین دین میں خیانت کرنا، سود، رشوت، سوال، چوری، خیانت، ظلم اور خدا جانے کیسے کیسے گناہوں میں مبتلا ہوتا رہتا ہے، پھر بھی چین نہیں پاتا، دنیا کی حرص وطمع اور لالچ بڑھتی چلی جاتی ہے۔

امام غزالیؒ دنیا کی محبت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ دنیا اللہ تعالیٰ کی بھی دشمن ہے اس کے اولیاء کی بھی دشمن ہے اور اس کے اعداء کی بھی دشمن ہے۔ اللہ سے اس کی عداوت یہ ہے کہ اس نے اللہ کے بندوں کے لئے اللہ تعالیٰ تک پہونچنے کا راستہ بند کر رکھا ہے، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے جب سے اُس کو پیدا کیا ہے اس کی جانب نظرِ التفات نہیں فرمائی ہے۔ اس کے اولیاء اللہ یعنی مومنین سے دشمنی اس طرح کرتی ہے کہ ان کے سامنے اپنے زیب و زینت کا اظہار کرتی رہتی ہے اور اپنی سرسبزی شادابی اور کشش سے انہیں اپنی جانب متوجہ کرتی رہتی ہے اور وہ بے چارے دنیا داری کے بُرے انجام سے بچنے کے لئے صبر و ثبات کے کڑوے

گھونٹ پینے پر مجبور رہتے ہیں۔ اوراعداء اللہ یعنی کفار ومشرکین سے اس طرح دشمنی کرتی ہے کہ اپنے مکروفریب کے ذریعہ انہیں دھوکے میں رکھتی اور اپنی خوب صورت چالوں کے ذریعہ ان کا شکار کرتی رہتی ہے، یہاں تک کہ وہ اس پر اعتماد کر کے اس کی محتاجی کا اظہار کرنے لگتے ہیں، یوں دن بہ دن اپنا محتاج بنا کر ذلت کے قعر میں دھنساتی چلی جاتی ہے بالآخر ان لوگوں کو سعادتِ ابدی سے محروم کر کے رکھ دیتی ہے؛ انجام کار یہ لوگ اِشْتَرُوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ کے مصداق ہو جاتے ہیں؛ جب یہ بات ہے تو دنیا اور دنیا کی دل رُبائیوں کی حقیقت کو سمجھنا اور اس سے جان چھڑانے کی تدابیر اختیار کرنا انتہائی ضروری کا ہے۔

(احیاء علوم الدین: ۳/ ۲۵۷)

مال کی محبت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دنیا کے فتنے مختلف نوع اور متعدد قسم کے ہیں، لیکن مال ان فتنوں میں سب سے بڑا اور سب سے خطرناک فتنہ ہے، پھر اس میں بڑی عجیب بات یہ ہے کہ کسی شخص کو اس سے مفر اور استغناء بھی نہیں ہو سکتا، ہر ایک اس کا محتاج ہے، کیوں کہ مال اگر نہ ملے تو آدمی محتاج ہوگا اور احتیاج وہ چیز ہے جس سے کفر تک کا خطرہ ہے اور اگر مل جائے تو ہر شر اور بغاوت کے راستے کھول دیتا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ مال وہ آزمائش ہے جس میں فوائد بھی ہیں اور آفات بھی، اس کے فوائد نجات دلانے والے اور آفات ہلاک کرنے والے ہیں، اور دونوں کے درمیان فرق کرنا ایسا معمّا ہے جو تجربہ کار اور ماہر علماء کے علاوہ کسی کے بس کی بات نہیں ہے، پہلے جو کچھ ہم نے حُبّ دنیا کے سلسلے میں کہا ہے وہ عام ہے اور مال کا معاملہ خاص ہے، اس لئے کہ دنیا ہر اس فائدے کو کہا جاتا ہے جو عاجل اور وقتی ہو اور اس کا آخرت میں کوئی نفع نہ ہو، پس مال بھی دنیا ہے، جاہ بھی، بطن وفرج کی شہوات بھی، غیظ وغضب کی تشفی، حقد وحسد کے تقاضے، تکبر وغرور وغیرہ سب دنیا کے اجزاء ہیں اور دنیا ان سب کو جامع۔ (احیاء علوم الدین: ۳/ ۲۹۵)

۲۔ حُب دنیا اور حُبّ مال کے نقصانات

امام صاحب کی اس جامع تحقیق کے بعد ہم دنیا اور دنیا داری کی مذمت قرآن وحدیث

کی روشنی میں پیش کرتے ہیں:

یہودیوں اور مشرکوں میں اس مرض کی تشخیص کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ (سورۃ البقرہ:۹۶)	اور ان یہودیوں کو آپ زندگی کا بڑا حریص پائیں گے، اسی طرح مشرکین کو بھی، ان میں سے ہر ایک چاہتا ہے کہ اسے ہزار برس کی عمر مل جائے۔

دوسری جگہ بعض بدترین کفار کے ذکر میں فرمایا:

فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ﴿۳۷﴾ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۳۸﴾ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿۳۹﴾ (سورۃ النازعات:۷۹ ۳تا۳۹)	پس وہ شخص جس نے سرکشی کی اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دی، یقینا جہنم ہی اس کا ٹھکانہ ہے۔

تیسری جگہ آخرت سے غافلوں کے بارے میں فرمایا:

رَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ﴿۷﴾ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸﴾ (سورۂ یونس:۷،۸)	وہ دنیا کی زندگی سے راضی ہیں اور اسی پر مطمئن ہو بیٹھے، اور وہ لوگ ہماری آیتوں سے غافل ہیں، ان کا ٹھکانہ جہنم ہے ان چیزوں کی وجہ سے جو انہوں نے کمائیں۔

ان کے علاوہ قرآن کریم کی بے شمار آیتیں حُب دنیا کی مذمت بیان کرتی ہیں بلکہ سارا قرآن ہی دنیا سے جی لگانے اور اس کے پیچھے پڑے رہنے کی مذمت بیان کرتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی طرح طرح سے صحابہ کرامؓ کو دنیا سے بے رغبتی سکھائی ہے، ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ ارشاد منقول ہے کہ ”بوڑھے آدمی کا دل دو چیزوں کے بارے میں جوان ہوتا ہے، ایک دنیا کی محبت اور دوسرے طولِ امل یعنی لمبے منصوبے اور آرزوئیں“ (بخاری:6420) حالاں کہ ایسا نہیں ہونا چاہیئے بلکہ اس کے برخلاف ہونا چاہیئے کہ عمر کی زیادتی کے ساتھ آخرت کی فکر اور دنیا سے بے رغبتی میں اضافہ ہوتا چلا جائے۔

ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے راستے میں کن کٹا بکری کا مردہ بچہ دیکھا تو صحابہ کرامؓ سے پوچھا ”کوئی اسے ایک درہم میں خرید لے گا؟ سب نے کہا کون خریدے گا اور کیا کریں گے اسے خرید کر؟“، آپ نے فرمایا ”دنیا اللہ تعالیٰ کی نظر میں اس سے بھی زیادہ بے حیثیت اور حقیر ہے جتنی کہ تمہاری نظر میں یہ بکری کا مردہ بچہ حقیر ہے، اگر پوری دنیا (اپنے زیب وزینت اور خزانوں سمیت) اللہ تعالیٰ کی نظر میں مچھر کے برابر بھی وقعت رکھتی ہوتی تو کافر کو اس میں سے ایک گھونٹ پانی بھی نہ پلاتا“ (ترمذی:2320)

ایک حدیث میں ہے کہ ”دنیا مومن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت ہے“ (مسلم:2956)

ایک حدیث میں ہے کہ ”سنو! دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے سب ملعون ہے، سوائے اللہ کے ذکر کے اور جو کچھ اللہ کے لئے ہے، اور عالم اور طالب علم“ (ترمذی:2322)

ایک حدیث میں ہے ”جس نے دنیا سے محبت کی تو آخرت کا نقصان اٹھائے گا اور جس نے آخرت سے محبت کی تو اس کی دنیا کا نقصان ہوگا، پس تم فنا ہو جانے والی چیز پر باقی رہنے والی چیز کو ترجیح دو“ (مسند احمد:19698)۔ مطلب یہ ہے کہ اپنی آخرت کو نقصان سے بچا لو خواہ دنیا کا نقصان کیوں نہ ہو جائے۔

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار و مشرکین کے مقابلے میں مسلمانوں کی مغلوبیت اور کمزوری کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ اُن میں وَھَن کی بیماری پیدا ہو جائے گی، صحابہؓ نے دریافت کیا یہ وَھَن کیا بیماری ہے؟ آپ نے فرمایا ”دنیا کی محبت اور موت سے کراہت“

(ابوداؤد:4291)

ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہؓ سے پوچھا: کیا پانی پر چلنے والے کے قدم بھیگنے سے محفوظ رہتے ہیں؟ جواب دیا گیا نہیں یا رسول اللہ! فرمایا ”اسی طرح دنیا کا چاہنے والا بھی گناہوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا“ (شعب الایمان:9973)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں ”لوگو! دنیا تم سے پیٹھ پھیر کر واپس ہو رہی ہے اور آخرت (تمہاری جانب) آگے بڑھ رہی ہے، دونوں کے چاہنے والے ہیں، پس تم آخرت کے

چاہنے والے بنو دنیا کے چاہنے والے نہ بنو، آج عمل ہے حساب نہیں اور کل حساب ہوگا عمل نہیں''۔ (مصنف ابن ابی شیبہ)

یحییٰ بن معاذ رازی ؒ فرماتے ہیں ''جو شخص یہ کہے کہ اس نے دنیا کی محبت اور اللہ تعالیٰ کی محبت دونوں کو اپنے قلب میں جمع کرلیا ہے تو وہ جھوٹا ہے'' اس لئے کہ ایسا ممکن نہیں۔

یہاں تک تو دنیا سے جی لگانے کی مذمتوں کا ذکر تھا جہاں تک بہ طور خاص مال و متاع دنیا کی مذمت کا معاملہ ہے تو قرآن کریم میں بہ طور خاص بھی اس کی مذمت آئی ہے، پہلے بتایا جا چکا ہے کہ دنیا وہی مذموم ہے جس کا آخرت میں کوئی نفع نہ ہو اور وہ اللہ تعالیٰ سے غفلت کا سبب بنے، اسی طرح مال بھی وہی مذموم ہے جس کو آخرت پر ترجیح دیا گیا ہو اور وہ موت اور مابعد الموت کی تیاری سے غفلت کا سبب بنے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۹ (سورۃ المنافقون:۹)

اے ایمان والو! تمہیں تمہارا مال اور تمہاری اولاد یادِ الٰہی سے غفلت میں نہ ڈال دے، اور جو کوئی ایسا کرے گا تو وہی نقصان اٹھانے والا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۱۵ (سورۃ التغابن:۱۵)

یقیناً تمہارے اموال اور تمہاری اولاد ایک آزمائش ہیں، اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے اجرِ عظیم۔

ایک اور موقعہ پر فرمایا:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ۝۱۵ (سورۃ ہود:۱۵)

جو لوگ (صرف) دنیوی زندگی اور اس کی سج دھج چاہتے ہیں، ہم اُن کے اعمال کا پورا پورا صلہ اسی دنیا میں بھگتا دیں گے، اور یہاں ان کے حق میں کوئی کمی نہ ہوگی۔

مطلب یہ ہے کہ طالبِ دنیا آخرت کی دائمی ولا فانی نعمتوں سے محروم رہے گا، ظاہر ہے کہ یہ بڑی بدنصیبی کی بات ہے۔

ایک موقع پر آدمی کے حرص وطمع کی مذمت بیان کرتے ہوئے فرمایا ''بنی آدم کے پاس وادی بھر سونا (جمع) ہو جائے تو بھی (اسے سیری نصیب نہیں ہوتی) وہ چاہتا ہے کہ اتنا سونا اور مل جاتا، یادرکھو حرص کی آنکھ کو قبر کی مٹی ہی بھر سکتی ہے، ہاں! توبہ کرنے والے کو اللہ تعالیٰ معاف کردیتے ہیں'' (بخاری:6437)

ایک حدیث میں ہے کہ ''بے شک دنیا بہت میٹھی اور ہری بھری ہے، اور اللہ تعالیٰ تمہیں یہ دنیا خوب عطا کرے گا اور دیکھے گا کہ تم کیا عمل کرتے ہو، خبردار! دنیا سے اور عورتوں سے ہوشیار رہنا'' (ابن ماجہ:4000)

ایک صحابیؓ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ سورۂ **الھکم التکاثر** تلاوت فرمارہے تھے، مجھ سے فرمایا'' آدمی کہتا ہے میرا مال میرا مال! (حالاں کہ وہ غور ہی نہیں کرتا کہ) اس کا مال کیا ہے؟ (اس کا مال تو) بس وہ ہے جو کھا کر ختم کرلیا، پہن کر پُرانا کرلیا اور جو راہِ خدا میں صرف کرکے ذخیرۂ آخرت بنالیا، اس کے علاوہ جو کچھ ہے تو وہ دوسروں کے لئے چھوڑ کر خود (آخرت کی طرف) نکل جانے والا ہے'' (مسلم:2958)

ایک حدیث میں ہے کہ ''دنیا اس کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہیں، اور اس کا مال ہے جس کا کوئی مال نہیں اور اس کو وہی جمع کرتا ہے جسے عقل نہیں'' (مسند احمد:24473)

ایک مرتبہ حضرت ابوعبیدۃ ابن الجراحؓ رات کے وقت بحرین سے زکوۃ کے اموال لے کر مدینہ منورہ پہونچے، لوگوں کو رات ہی میں پتہ چل گیا تھا تو صبح کی نماز میں ضرورت مندوں کی ایک بڑی تعداد مسجد نبوی میں حاضر تھی (جو عام طور سے اپنے محلوں کی مسجدوں میں نماز پڑھا کرتے تھے) نماز کے بعد جب آپ نے خلافِ معمول بڑی تعداد کو دیکھا تو سمجھ گئے کہ یہ لوگ مال لینے آئے ہیں، آپ نے انہیں دیکھ مسکرایا اور فرمایا، کیا آپ لوگوں کو ابوعبیدۃ کے

آنے کا پتہ چل گیا؟ ان لوگوں نے اثبات میں جواب دیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میں تم لوگوں کو آج اتنا دوں گا کہ خوش ہو جاؤ گے'' (مگر سنو!) میں اپنے بعد تم لوگوں کے فقر کا خطرہ محسوس نہیں کر رہا ہوں، مجھے تو یہ ڈر ہے کہ تم لوگوں کے اموال میں وسعت پیدا ہو جائے گی، جیسا کہ بنی اسرائیل کے لئے کر دی گئی تھی، پھر تم آپس میں حسد و منافست کرنے لگو گے، پھر یہ دنیاداری تمہیں ایسے ہی ہلاک کر دے گی جیسے انہیں ہلاک کر دیا تھا، پس تم دنیا سے اور عورتوں کے فتنے سے ڈرتے رہو'' (بخاری: 4015)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے تھے ''دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ ہے، اور مال کی محبت میں بڑی بیماری ہے، پوچھا گیا: کیا بیماری ہے؟ فرمایا ''فخر اور گھمنڈ۔ (شعب الایمان: 9974)

مذکورہ بالا آیات واحادیث سے معلوم ہوا کہ دنیا اور دنیا کے مال ومتاع کی محبت ایک خطرناک مرض ہے، اگر اس مرض کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے اور اس کے اثرات سے بچنے کے لئے دنیا اور دنیوی نعمتوں کی خواہش کو اپنے دین اور تعلق مع اللہ پر اثر انداز ہونے سے دور رکھا لیا جائے تب تو ٹھیک ہے ورنہ یہ دنیا کی محبت دونوں جہاں کی تباہی اور مقصد میں ناکامی کا سبب بن کر رہے گی، اس لئے حتی المقدور کوشش کرنی چاہئے کہ اپنے آپ کو اس کی محبت اور اس کے حصول کے جنون سے محفوظ رکھیں، اللہ تعالیٰ توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

(ب)

دنیا کی محبت سے بچنے کے فوائد:

قرآن کریم میں دنیا کی حقیقت، اس کی بے ثباتی وفنائیت کو مختلف طریقوں سے اجاگر کر کے اس سے دور رہنے اور ہر ممکن ہوشیار رہنے کی تاکیدیں جابہ جا کی گئی ہیں، مثال کے طور پر خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا:

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ قف ثُمَّ	جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے ان کا شہروں میں (خوش حالی کے ساتھ) چلنا پھرنا

مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿۱۹۸﴾

(سورۂ آل عمران: ۱۹۸-۱۹۶)

تمہیں ہرگز دھوکہ میں نہ ڈالے، یہ تو تھوڑا سا مزہ ہے (جو یہ اُڑا رہے ہیں) پھر ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور بدترین بچھونا ہے۔ لیکن جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہوئے عمل کرتے ہیں، اُن کیلئے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، اللہ کی طرف سے میزبانی کے طور پر وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے، اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ نیک لوگوں کے لئے کہیں بہتر ہے۔

حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''دنیا میں سفر کرنے والے یا راستہ چلنے والے کی طرح رہا کرو''۔ (بخاری:3959)

ایک حدیث میں ہے کہ ''اچھے اخلاق، بردباری اور میانہ روی نبوت کے چوبیس اجزاء میں سے ایک جز ہے'' (ترمذی:2010) میانہ روی یعنی درمیانی چال ہر چیز میں پسندیدہ صفت ہے تو ضروریاتِ زندگی میں حرص و ہوس کے مقابلے میں ضروریات پر اکتفاء کرنا اور پُرتعیش زندگی سے احتیاط برتنا بھی میانہ روی اور اعتدال میں شامل ہے، اسی سے قناعت پسند زندگی کی فضیلت بھی معلوم ہو جاتی ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ ''رزق کے پیچھے مت پڑو، کیوں کہ کوئی آدمی اس وقت تک مر نہیں سکتا جب تک کہ اپنے مقدر کی آخری روزی نہ کھا لے، پس کسب اور طلب میں اجمال و اعتدال اختیار کرو، حلال کو لے لو اور حرام کو چھوڑ دو'' (مستدرک حاکم:2134)

ایک حدیث میں ہے کہ ''لوگو! بے نیازی مال کی کثرت کا نام نہیں ہے، حقیقی بے نیازی دل کا بے نیاز ہونا ہے'' (الترغیب والترہیب: ۳/ ۲۷۴)

حضرت ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دن قرآن کریم کی آیت وَمَنۡ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجۡعَلۡ لَّهٗ مَخۡرَجًا ۙ‏ ۝ وَّيَرۡزُقۡهُ مِنۡ حَيۡثُ لَا يَحۡتَسِبُ پڑھتے اور دُہراتے رہے، یہاں تک کہ میں انتظار میں بیٹھے بیٹھے اونگھنے لگا پھر فرمایا ''اے ابوذر! اگر لوگ اس ایک آیت کو لے لیں تو یہ ان کے لئے کافی ہوجائے''۔ (مستدرک حاکم: 3819) یعنی اس میں جو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ گناہوں سے بچنے والے کو بے وہم وگمان روزی عطا فرمائے گا اس وعدے پر یقین کر کے تقویٰ والی زندگی اختیار کرلے تو وعدہ بھی پالے گا، ظاہر ہے کہ آدمی کی تمام تگ ودَو روزی کی فراوانی کے لئے ہورہی ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ ''آدمی اگر اپنی روزی سے بھاگنے کی بھی کوشش کرے تو وہ اسی طرح اسے پکڑ لے گی جیسے موت اسے پکڑے گی'' (الترغیب والترہیب: 2493)

ایک حدیث میں ہے کہ ''ہر دن جب سورج طلوع ہوتا ہے اس کے پہلو میں دو فرشتے بھیجے جاتے ہیں جو ایک آواز دیتے ہیں جسے جن وانس کے علاوہ تمام مخلوقات سنتی ہے، اے لوگو! اپنے پروردگار کی طرف بڑھو، اس لئے کہ جو بھی کوئی چیز مختصر اور ضرورت بقدر ہو وہ اس سے بہتر ہے جو مقدار میں زیادہ اور غافل کرنے والی ہو، اور ہر شام کے ساتھ دو فرشتے آتے ہیں اور یہ دعا کرتے ہیں اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اس کا بدل عطا فرما اور روک کے رکھنے والے کا مال ضائع فرما'' (ایضاً: 2498)

ایک حدیث میں ہے کہ بہترین ذکر وہ ہے جو خاموش طریقے پر کیا جائے اور بہترین روزی وہ ہے جو ضروریات کے لئے کافی ہوجائے'' (ایضاً: 2499)

ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے ''جو شخص دنیا کو مقصود بنائے، اسی کے غم میں مبتلا رہے، اسی کے لئے اپنے کو وقف کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کے سامنے فقر ومحتاجی کر دیتے ہیں، اس کی پونجی کو ضائع کر دیتے ہیں اور مقدر سے زیادہ اسے نہیں مل سکتا، اور جو کوئی شخص آخرت کو مقصود بنائے اور اسی کی فکر وغم میں مبتلا رہے، اللہ تعالیٰ اس کے دل کو غنی بنا دیتے ہیں، اس کی کمائی محفوظ رکھتے ہیں اور دنیا اس کے پاس ذلیل ہوکر پہونچتی ہے۔ (ایضاً: 2501)

پس معلوم ہوا کہ دنیا اور دنیوی مال ومنال کے معاملے میں اجمال واختصار کو پسند کر لینا اور قناعت ورضا کا مزاج بنالینا دنیا کی فکروں میں مبتلا رہنے اور اس کی محبت میں آخرت سے غافل ہوجانے سے بہتر ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ آخرت کو مقصود بنا کر اس کے لئے زیادہ توجہ اور جُہد کرنے کی برکت سے دنیا کو بھی اس کے قدموں میں ڈال دیتے ہیں، اور آخرت بھی بنا دیتے ہیں، پھر عقل مند آدمی کو دنیا اور اس کی رنگ رلیوں کی ہوس میں جان کھپانے کی کیا ضرورت ہے، اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نسخۂ کیمیا امت کو عطا فرمایا:

فاتقوا الله واجملوا فی الطلب وتوکلوا علیه	اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، دنیا طلبی میں زیادہ منہمک مت رہو، اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھو۔

حق تعالیٰ توفیقِ عمل نصیب فرمائے، آمین۔

(ج)

حُبِ دنیا ومال کا علاج

اگر کسبِ حلال اور اہل وعیال کے مشاغل حقوق اللہ یا حقوق العباد کی ادائیگی میں مانع ہورہے ہیں تو یہ مذموم دنیا ہے اور مذموم مال ہے اس لئے ان سے اور ان کی محبت سے بچنا اشد ضروری ہے، اس کے لئے چند عملی چیزیں ہیں جنہیں اختیار کرنا چاہیئے۔

۱۔ مذکورہ بالا مضامین کا مطالعہ اور مذاکرہ کرتے رہنا۔

۲۔ دنیا کی بے ثباتی اور مال کے زوال کا تصور کرتے رہنا۔

۳۔ موت کو یاد رکھنا اور کبھی کبھی اپنی موت کے امکانی حالات پر غور کرتے رہنا۔

۴۔ ان لوگوں کے حالات میں غور کرنا جنہوں نے بہت دنیا جمع کی مگر اُنہیں اسی کی خاطر طرح طرح کے نقصانات کا سامنا کرنا پڑا اور زندگی بے لطف ہوگئی ہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ سے دعاؤں کا اہتمام رکھنا اور دنیا کی مُضر محبت سے پناہ مانگتے رہنا۔

۱۰

الریاء و السمعۃ و النفاق

ریا، سمعہ اور نفاق

(الف)

ریا کاری کے نقصانات

ریا کاری یعنی دکھلاوا ایک بدترین صفت اور قلب کی نازک بیماری ہے، ریا کی حقیقت اپنے عمل میں غیر اللہ کے دیکھنے یا تعریف کرنے کے ارادے کو شامل کرنے کی وجہ سے اس عمل کا اللہ تعالیٰ کے لئے خالص نہ رہنا ہے، یا یوں کہئے کہ خیر کا کام غیر کو دکھانے کے لئے کرنا ریا کہلاتا ہے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ ''ریا کی حقیقت اچھے کاموں کو دکھا کر مخلوق کے دل میں اپنی عزت اور وقعت حاصل کرنے کی کوشش ہے'' خلاصہ یہ ہے کہ کوئی بھی نیک کام ___ جو اصلاً اللہ تعالیٰ کی رضاء وخوشنودی کے لئے کیا جاتا ہے اس ___ میں مخلوق کو دکھانے اور ان کی نظر میں بڑا اور اچھا بننے کے ارادے کو شامل کر لینا ریا کاری اور دکھلاوا کہلاتا ہے۔

اسی سے ملتی جُلتی ایک صفت **سُمعہ** ہے، ریا اور سمعہ میں فرق یہ ہے کہ **ریا** کا تعلق عمل سے ہے اور **سمعہ** کا قول سے، اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ سمعہ اپنے کسی نیک عمل کا لوگوں کے سامنے اس لئے ظاہر کرنا کہ ان کی نظر میں اپنی قدر و منزلت بڑھے، اس سے معلوم ہوا کہ ایسے کسی عمل کا تعلیم و تربیت اور ترغیب و تشویق کی نیت سے دوسروں پر ظاہر کرنا

اس میں داخل نہیں ہے۔

اس جگہ امراض قلب کے ماہرین ایک تیسری صفت نفاق (عملی) کا بھی ذکر کرتے ہیں نفاق بھی ریا اور مخلوق پرستی ہی کی ایک صورت ہے، فرق یہ ہے کہ ریا کار اچھے عمل میں مخلوق کی خوش نودی بھی شامل کرلیتا ہے اور منافق بری بات کو دل میں چھپا کر لوگوں کے سامنے اچھائی ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہے؛ بہرحال قرآن وحدیث میں ان تینوں ملتی جُلتی صفات کی سخت مذمت بیان کی گئی ہے، اور ان کے مرتکبین کو وعیدیں سنائی گئی ہیں، ذیل میں ان میں سے کچھ کا ذکر کیا جاتا ہے:

وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۱۴۲ (سورۃ النساء:۱۴۲)

اور جب وہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں، لوگوں کے سامنے دِکھاوا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت کم کرتے ہیں۔

منافقین اندر سے مسلمان تو تھے نہیں مگر اپنے کو مسلمان ظاہر کرنے پر مجبور تھے، اس لئے نماز میں شریک ہوتے تھے لیکن نماز میں تو اس کا جی لگے گا جو نماز پڑھنے کا ثواب اور چھوڑنے کا وبال جانتا ہو، یہ اندرونی کفار محض اس لئے نماز میں شریک ہوتے تھے کہ مسلمان انہیں مسلمان سمجھیں اور اس طرح وہ دنیوی نعمتوں میں شریک اور دنیوی عقوبتوں سے محفوظ رہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے بجائے بندوں کو دکھانے کے لئے کی گئی یہ عبادت عبادت ہی کیا ہوئی؟ اس لئے منافقین کی ریاکارانہ نماز کا ذکر کرکے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اپنی عبادتوں کو ریا سے محفوظ رکھنے کی تعلیم دے رہا ہے۔

ایک اور جگہ ریاکاری کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ

اور اُن لوگوں کی طرح نہ ہوجانا جو اپنے گھروں سے اکڑتے ہوئے اور لوگوں کو اپنی شان دکھاتے ہوئے نکلے تھے، اور

بِمَا يَعۡمَلُوۡنَ مُحِيۡطٌ ﴿٤٧﴾ (سورۃ الانفال: ۴۷)

لوگوں کو اللہ کے راستے سے روک رہے تھے اور اللہ لوگوں کے سارے اعمال کو (اپنے علم کے) احاطے میں لیا ہوا ہے۔

بدر کے موقع پر جب ابوسفیان مسلمانوں سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو کر مکہ مکرمہ پہونچے تو وہاں کے لوگوں کو مسلمانوں کے مقابلے کے لئے نکلنے کا حکم دیا، مشرکین جب مکے سے بدر کے لئے نکلے تو بہت فخر اور بڑی شان سے قسم قسم کی ڈینگیں مارتے ہوئے نکلے، یہ غرور خوش فہمی اور ضرورت سے زیادہ خود اعتمادی کچھ کام نہ آئی، جتنے مغرور تھے سب جہنم رسید ہوئے اور جو بچ گئے تھے وہ روتے دھوتے ذلت و رسوائی کے ساتھ واپس ہوئے، یہ ریا کاری اور عجب و پندار ہی کا بُرا انجام تھا، اِن آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ایسی حماقت نہ کرنے کا حکم دیا ہے۔

ریا کار نمازیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

فَوَيۡلٌ لِّلۡمُصَلِّيۡنَ ﴿٤﴾ الَّذِيۡنَ هُمۡ عَنۡ صَلَاتِهِمۡ سَاهُوۡنَ ﴿٥﴾ الَّذِيۡنَ هُمۡ يُرَآءُوۡنَ ﴿٦﴾ (سورۃ الماعون: ۴ تا ۶)

پھر بڑی خرابی ہے ان نماز پڑھنے والوں کی جو اپنی نماز سے غفلت برتتے ہیں، جو دِکھاوا کرتے ہیں۔

یہ تو آیاتِ قرآنیہ تھیں، آگے احادیثِ نبویہ بیان کی جاتی ہیں۔

امام بخاریؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس نے اپنے اعمال لوگوں کو سنائے (تا کہ ان سے تعریف و توصیف سُنے اور ان کی نظر میں اپنی قدر و منزلت بڑھائے) اور جس نے لوگوں کو دکھانے کے لئے اعمال کئے تو قیامت میں اس کی یہ بدنیّتی سر محشر دکھائی جائے گی تا کہ (انہی لوگوں کے سامنے) ذلیل و رسوا ہو''۔ (جنہیں دکھانے کے لئے اعمال کئے تھے)۔ (بخاری: 6499)

امام احمدؒ نے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جو کوئی شخص کسی شخص کے ساتھ ریا اور سمعہ کا معاملہ کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو ریا اور سمعہ کے مقام پر کھڑا

کرے گا'' (مسند احمد: ۴/ ۲۲۹) یعنی مشہور کیا جائے گا کہ یہ شخص ریا کار تھا اور مخلوق سے تعریفیں سننے کے لئے اپنے اعمال جتایا کرتا تھا۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جہاد کے (اجر وثواب کے) بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا ''اگر تم نے حوصلہ مندی کے ساتھ اور ثواب کی امید پر جہاد کیا تو قیامت میں تم کو ایسا ہی اٹھایا جائے گا اور لوگوں کو دکھانے اور بڑا بننے کے لئے جہاد کیا تو قیامت میں تم اسی طرح اٹھائے جاؤ گے'' (مستدرک حاکم: ۲/ ۸۵) یعنی جیسی نیت ہوگی ویسا ہی انجام ہوگا۔

ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا '' مجھے تم لوگوں کے بارے میں سب سے زیادہ جس چیز کا ڈر ہے وہ یہ کہ تم لوگ شرکِ اصغر میں مبتلا ہو جاؤ گے'' پوچھا گیا شرکِ اصغر کیا ہے؟ فرمایا ''ریا'' کیوں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جب بندوں کے اعمال کا بدلہ دے رہا ہوگا ریا کار سے فرمائے گا اُن لوگوں سے اپنا بدلہ لے لو جن کے لئے عمل کیا تھا'' (مسند احمد: ۵/ ۴۲۹) ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ (قیامت میں) فرمائے گا ''میں شریکوں میں سب سے زیادہ بے نیاز ہوں، جو شخص اپنے اعمال میں میرے ساتھ کسی اور کو شریک کرے تو میں اس کو اور اس کی شرکت کو چھوڑ دیتا ہوں'' یعنی وہ جانے وہ، مجھے کوئی مطلب نہیں۔ ایک حدیث میں ہے ''خفیہ شہوت اور ریا شرک ہے'' (مسند احمد: ۴/ ۳۱۴) خفیہ شہوت ہر اس معصیت کو کہتے ہیں جو آدمی لوگوں سے چھپا کر برابر کرتا رہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ ''جس نے نیک کام کے ذریعہ دنیا کو طلب کیا تو اس کا چہرہ مسخ کر دیا جائے گا، اس کا ذکر مٹا دیا جائے گا اور اُسے جہنمی قرار دے دیا جائے گا''۔

(الترغیب والترہیب: ۱/ ۵۷)

ایک حدیث میں ہے کہ ''قیامت میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ جس کا فیصلہ فرمائیں گے وہ مجاہد ہوگا، اللہ تعالیٰ اس کو اس کا ثواب دکھا کر پوچھیں گے کہ اس کو پانے کے لئے تو نے کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا تیری راہ میں قتال و جہاد کرتا رہا یہاں تک کہ شہید ہو گیا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا

”جھوٹ بولتا ہے، تو نے تو یہ عمل اس لئے کیا تھا کہ دنیا میں تو شہید کہلوائے سو کہلوایا گیا، (بدلہ ہوگیا) حکم دیا جائے گا کہ اس کو گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دو، چناں چہ اسے منھ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا، پھر ایک عالم اور قاری کو لایا جائے گا، اس کو بھی اس کا بدلہ دکھا کر پوچھا جائے گا کہ اس کے لئے تو نے کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا علم حاصل کیا اور دوسروں تک پہونچایا اور قرآن کریم پڑھا، فرمایا جائے گا جھوٹ بولتا ہے تو نے تو یہ سب کچھ عالم کہلوانے اور قاری کہلوانے کے لئے کیا تھا سو یہ تعریفیں دنیا میں تجھے مل گئیں (بدلہ ہوگیا) حکم دیا جائے گا تو اسے بھی اوندھے منھ جہنم میں ڈال دیا جائے گا، پھر ایک سخی کو لایا جائے گا، اس کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوگا اور پوچھا جائے گا کہ اس کے لئے کیا عمل کیا، وہ کہے گا میں نے ایسے ایسے خیر خیرات کئے، فرمایا جائے گا جھوٹ بولتا ہے (یہ سب تو نے ثواب کے لئے نہیں کیا تھا بلکہ) سخی اور داتا کہلانے کے لئے کیا تھا، سو تیری دنیا میں خوب شہرت ہوگئی (اور بدلہ پا گیا) حکم ہوگا فرشتے اس کو بھی اوندھے منھ گھسیٹ کے جہنم رسید کر دیں گے“ (مسلم: ۱۹۰۵) اعاذنا اللہ منه

مذکورہ بالا آیات واحادیث سے معلوم ہوا کہ رِیا یعنی اپنے اعمال میں غیر اللہ کو خوش کرنے کا ارادہ، اور سُمعہ یعنی اپنے نیک کاموں کا مخلوق کے سامنے اس لئے ذکر کرنا کہ وہ تعریف کریں اور داد دیں، یہ دونوں عمل اللہ ورسول کے نزدیک کس قدر مذموم اور معیوب ہیں حتیٰ کہ انہیں شرکِ اصغر کہا گیا ہے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی امت میں اسی شرکِ اصغر یعنی ریاکاری کے پیدا ہوجانے کا خطرہ متفکر کیا ہوا تھا۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ ریاکاری مختلف صورتوں سے وجود میں آتی ہے، اہل دین اور انداز سے ریاکاری میں مبتلا ہوتے ہیں، اہل دنیا کسی اور طرح اس مرض کا شکار رہتے ہیں، مثلاً: بدنی طور پر دین دار لوگ اس طرح ریا میں مبتلا ہوتے ہیں کہ اپنے کو بہت نحیف وکم زور ظاہر کرتے ہیں تاکہ لوگ سمجھیں کہ یہ آدمی عبادات میں بہت محنت کرتا ہوگا، دین کے سلسلے میں بہت متفکر وغم گین رہتا ہوگا، آخرت کا ڈر غالب ہوگا، دنیا دار لوگ اس کے برخلاف پرسنالیٹی عمدہ رکھ کر، خوب صورتی اور بناؤ سنگھار کر کے لباس بڑھیا پہن کر ریاکاری میں مبتلا

ہوتے ہیں۔

ہیئت وحالت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو دین دار طبقہ بکھرے بالوں، چہرے اور پیشانی پر سجدے کے اثرات باقی رکھ کر، موٹے جھوٹے کپڑے پہن کر، میلے کچیلے اور پھٹے لباس کے ذریعہ بزرگی اور اتباع سنت دکھانا چاہتے ہیں، دنیا دار لوگ شان دار لباس قیمتی سواریوں کے ذریعہ اسی طرح کھانے پینے اور رہنے سہنے میں اعلیٰ معیارات کے ذریعہ ریا کاری کرتے ہیں۔

زبانی لحاظ سے یہ اہل دین میں تو وعظ ونصیحت، تقریر و بیان، درس وتدریس میں مہارت اورعلم کی وسعت کے اظہار وغیرہ کے ذریعہ سے ہوتا ہے نیز مجمعوں میں کثرتِ ذکر کا اظہار، اورامر بالمعروف ونہی عن المنکر میں بھی ریا کاری کے مواقع ہیں، اہل دنیا فصاحت لسانی، اشعار وامثال نیز زبان دانی میں قابلیت کے اظہار کے ذریعہ دکھاوا کرتے ہیں۔

عملی طور پر اہل دین نمازوں میں طولِ قیام، رکوع وسجود میں خشوع کے ذریعے ریا کاری کرتے ہیں اسی طرح دیگر اعمال کو لوگوں کے دیکھتے وقت بہت عمدہ کر کے بتاتے ہیں، اور اہل دنیا اکڑفوں، استغناء اور بڑے پن کے اظہار کے ذریعہ ریا کاری میں مبتلا ہوتے ہیں۔

ایک ریا اس طرح بھی ہوا کرتا ہے کہ اپنے ماننے والوں، ملنے والوں، اساتذہ ومشائخ سے تعلقات ان کے ہاں اپنی قدر ومنزلت کے تذکرے اس غرض سے کئے جائیں کہ لوگوں کی نظر میں اپنا مقام بڑھے۔

یہ چند مواقع اور مثالیں ہیں ریا کاری کو سمجھنے کے واسطے، باقی غور کرنے سے آدمی کو خود بھی سمجھ میں آسکتا ہے کہ کہاں کہاں ان کی نیت میں رضائے الٰہی کے بجائے یا اس کے ساتھ غیر اللہ کی خوش نودی در آرہی ہے۔

ان باتوں کے معلوم ہونے کے بعد ہر مسلمان پر لازم ہے کہ ریا اور سُمعہ جیسی مہلک بیماریوں سے اپنے آپ کو بچائے۔

(ب)

ریاء وسُمعہ سے بچنے کے فوائد

ریا کے مقابلے میں اخلاص ہے، ریا کو ترک کر کے اخلاص کو اپنے اندر پیدا کرے، ریا کو ترک کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے اور بندے کے اعمال کو قبولیت کا شرف عطا ہوتا ہے، اپنے اعمال اپنی زندگی کی کمائی اور آخرت کی نعمتوں کا وسیلہ ہیں، جب اعمال قبول ہو جائیں گے تو آخرت کی نعمتوں کے حق دار بن جائیں گے، ذرا سوچئے کہ ریا اور سمعہ جیسی بیماریوں سے بچنے کا اس سے بڑھ کر اور کیا فائدہ ہوسکتا ہے؟

چناں چہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ (سورۃ البینۃ:۵)

(پچھلی امتوں کو بھی) اسی بات کا حکم دیا گیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت دین کو اس کے لئے خالص کر کے کریں اور سب سے توقعات ختم کر کے صرف اسی سے رکھنے والے بنیں۔

ایک اور جگہ منافقین کو سخت عذاب کی تنبیہ کرنے کے بعد فرمایا:

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۴۶﴾ (سورۃ النساء:۱۴۶)

سوائے ان لوگوں کے جو توبہ کر لیں اور اصلاحِ حال کر لیں اور اللہ تعالیٰ (کے دین) کو مضبوط تھام لیں تو یہ لوگ مومنین کے ساتھ ہیں، اور مومنین کو اللہ تعالیٰ عنقریب اجرِ عظیم عطا فرمائے گا۔

اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ ہر کام میں ریا کاری کے بجائے اخلاص معتبر ہوتا ہے، خواہ وہ ایمان لانے کا عمل ہو یا توبہ کرنے اور رجوع الی اللہ ہونے کا، ہر عمل اخلاص کے ساتھ

معتبر ہے اور دِکھلاوا کرنے والوں کی جھولی خالی رہتی ہے اُنہیں کچھ نہیں ملتا۔

بہ غیر ریا کاری کے خدمتِ خلق کرنے والوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ⑧ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ⑨

(سورۃ الدھر: ۸،۹)

اور (نیک بندے) اللہ تعالیٰ کی محبت میں (یا مال کی محبت کے باوجود) غریبوں، یتیموں، اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں (اور یوں کہتے ہیں کہ) ہم صرف اللہ تعالیٰ کی خاطر کھلا رہے ہیں، نہ تو تم سے بدلہ چاہتے ہیں اور نہ شکر گذاری سننا چاہتے ہیں۔

حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ”تمام اعمال میں (قبولیت اور اجر و ثواب کے واسطے) نیت معتبر ہوتی ہے، چناں چہ آدمی کے لئے وہی طئے ہے جس کی اس نے نیت کی، پس اگر (مثال کے طور پر) کسی کی ہجرت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے تو اس کی ہجرت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ہی کے لئے مانی جائے گی“ (بخاری: 1) اور اگر دنیا کمانے یا شادی کرنے وغیرہ کے لئے ہو تو ہجرت کا یہ عظیم عمل بھی غیر اللہ کو مقصود بنانے کی وجہ سے غیر اللہ کے لئے ہی ہو جائے گا، اس مشہورِ عالَم حدیث میں ترغیب دی گئی ہے کہ ہر چھوٹے بڑے کام میں ریاء کاری سے بچتے ہوئے اخلاص اور خدا پرستی کو پیدا کرنا چاہیئے، ورنہ اعمال اکارت ہو جائیں گے۔

بخاری شریف کی ایک طویل حدیث ــــ جو حدیثِ غار کے نام سے معروف ہے ــــ سے اخلاص کی قیمت کا اندازہ ہوتا ہے کہ اخلاص کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے کئے گئے اِن اعمال نے کس طرح بھاری چٹان کو غار کے منھ سے ہٹا دیا اور وہ لوگ سخت مصیبت سے نجات پا گئے۔ (بخاری: 2272)

ایک حدث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے دکھاوے کے لئے نماز پڑھی

تو اس نے شرک کیا، اور جس نے دکھاوے کے لئے روزہ رکھا اس نے شرک کیا اور جس نے دکھاوے کے لئے صدقہ کیا تو اس نے شرک کیا''۔ (مسند احمد: ۱۲۶/۴)۔

ان سب آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر کام خواہ چھوٹا ہو یا بڑا اسی وقت اللہ تعالیٰ کے نزدیک معتبر اور قابلِ اجر و ثواب ہوتا ہے جب کہ اس عمل میں ریا اور سمعہ سے بچتے ہوئے صرف اخلاص و للٰہیت پائی جاتی ہو، اور جس عمل میں ذرا بھی شائبہ شرک و ریا پایا جائے وہ مردود و نامقبول ہو جاتا ہے۔

(ج)

ریا، سمعہ، اور نفاق کا علاج

۱۔ ریا کاری کی مذکورہ بالا مذمتوں کا مطالعہ و مذاکرہ کرتے رہنا۔

۲۔ اخلاص و للٰہیت کے فوائد کا ہمیشہ استحضار رکھنا۔

۳۔ ہر عمل سے پہلے نیت کی تصحیح کا اہتمام رکھنا۔

۴۔ دعاؤں کا اہتمام رکھنا۔ خاص طور پر اس دعا کا۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوْذُبِکَ مِنْ أَنْ أُشْرِکَ بِکَ شَیْئًا وَّ اَنَا اَعْلَمُ بِہٖ وَ اَسْتَغْفِرُکَ لِمَا لَا اَعْلَمُ بِہٖ

۱۱

اٰفاتُ اللسان

زبان کی آفتیں

(الف)

زیادہ بولنے کے نقصانات

کھانے کی طرح بولنا بھی آدمی کی ایک ناگزیر ضرورت ہے، لیکن وہ بھی بہ قدرِ ضرورت ہی اچھی چیز ہے، ضرورت کے مواقع پر چُپ رہنا اور بے ضرورت بولتے رہنا یا ضرورت سے زیادہ بولنا کتاب وسنت ہی میں نہیں تمام عقلاء[1] کے نزدیک مذموم اور خلافِ وقار و شرافت ہے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ زبان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت اور اس کی قدرتوں میں سے ایک زبردست قدرت ہے، وہ اپنے جسم کے اعتبار سے تو بہت مختصر ہے مگر اس سے سرزد ہونے والی طاعات اور معصیتیں بے انتہاء ہیں، ایمان اور کفر — جو کہ طاعات اور معاصی کی انتہا ہیں — کا اعتبار بھی اسی زبان کی شہادت کے بعد ہوتا ہے، نیز کوئی موجود یا معدوم، خالق یا مخلوق، مجہول یا معلوم، یقینی یا غیر یقینی چیز ایسی نہیں ہے جس سے زبان کا — اثباتاً یا نفیاً — تعلق نہ ہو، کیوں کہ ہر چیز کا علم سے تعلق ہے اور علم کی تعبیر زبان سے ہی کی

---

[1] عُقلاء: عاقل کی جمع، سمجھ دار لوگ۔

جا سکتی ہے، یہ خصوصیت جو زبان کو حاصل ہے وہ کسی اور عضو کو حاصل نہیں ہے، دیکھئے! آنکھ کا تعلق صرف رنگوں اور شکلوں سے ہے کسی اور چیز سے نہیں ہے، کان کا تعلق صرف آوازوں سے ہے، ہاتھ کا تعلق صرف اجسام سے ہے، اسی طرح دیگر اعضا کا معاملہ ہے کہ وہ صرف مخصوص ومحدود چیزوں سے متعلق ہیں، برخلاف زبان کے کہ وہ (علم کے واسطے سے) ہر ہر چیز سے تعلق رکھتی ہے اور اس کے لئے ہر میدان کشادہ ہے؛ اس کے دائرہ عمل کی کوئی انتہاء اور حد نہیں ہے، اس کی نیکیوں کا میدان بھی کشادہ ہے اور برائیوں کا دائرہ بھی وسیع ہے۔

جب یہ بات ہے تو ظاہر ہے کہ جو آدمی اپنی زبان کو بے لگام اور آزاد چھوڑ دے گا تو شیطان اسے ہر کسی طرف لے دوڑے گا اور جہنم کے کنارے تک پہونچا دے گا، جیسا کہ حدیث پاک میں ہے ''آدمی کو اس کی زبان کی کمائیاں ہی اوندھے منھ جہنم میں ڈلواتی ہیں''۔ پس زبان کے شر اور اس کی بے باکیوں سے وہی آدمی محفوظ رہ سکتا ہے جو اپنی زبان پر شریعت کی لگام کس دے، اور سوائے دنیوی واُخروی منافع کی باتوں کے کوئی اور باتیں کرنے نہ دے، جس بات میں بھی دنیا یا آخرت کا نقصان ہو اس کے بولنے سے زبان کو روکے رکھے؛ اور یہ بات کہ زبان کا کن باتوں کے لئے استعمال مناسب ہے اور کن باتوں میں نامناسب ہے اس کا جاننا بہت مشکل ہے اور جان بھی لے تو اس کے مطابق عمل کرنا اس سے زیادہ دشوار ہے؛ اعضاء انسانی میں سب سے زیادہ گنہ گار زبان ہی ہے کیوں کہ اس کے چلنے میں کوئی مشقت ہے نہ خرچہ، یہی وجہ ہے کہ لوگ اس کے ضرر اور آفات سے بچنے میں اکثر تسائل اور غفلت سے کام لیتے ہیں، اس لئے اس موضوع پر تفصیل سے کلام کیا جائے گا۔

(احیاء علوم الدین: ۱۴۰/۳)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر خاموش رہتے تھے، اور جب بولنے کی ضرورت ہوتی بہت ہی جامع اور مختصر گفتگو فرماتے تھے، یہاں تک کہ کم بولنے کی اس صلاحیت کو آپ کے معجزات[1] میں شمار کیا گیا ہے، اس عنوان کے تحت اس باب میں دراز گوئی[2] اور زیادہ بولنے کے نقصانات پر گفتگو کی جا رہی ہے۔

جنت کی خوبیوں کا ذکر کرتے ہوئے حق تعالیٰ شانہ نے ارشاد فرمایا:

لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا إِلَّا سَلٰمًا ط (سورۂ مریم:۶۲) — نہیں سنیں گے وہ لوگ جنت میں کوئی فضول بات، ہاں مگر سلام (یعنی اچھی باتیں)

اس آیت کے تحت علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں ''مطلب یہ ہے کہ جنت میں لوگ فضول گوئی اور فحش گوئی[۳] میں مبتلا نہ ہوں گے،..... (اس کو بہ طور خاص خوبی کے بیان کرنے میں) اشارہ ہے کہ لغو[۴] و لایعنی میں مشغول رہنا اسلام میں ان ناپسندیدہ چیزوں میں سے ہے جن سے آدمی کو اس دنیا میں بھی ہر ممکن احتراز[۵] کرنا چاہیئے۔ (روح المعانی:۱۶/ ۱۱۲)

ایک دوسری جگہ فرمایا:

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ﴿۱۸﴾ (سورۂ ق:۱۸) — نہیں بولتا آدمی کوئی بات مگر یہ کہ اس کے قریب ہی ایک نگراں تیار کھڑا رہتا ہے۔ (یعنی لکھ لینے کے لئے)

جیسا کہ حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر آدمی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے دو فرشتے مقرر فرما رکھے ہیں، ایک اس کے داہنے مونڈھے پر ہوتا ہے دوسرا بائیں پر، یہ دونوں فرشتے برابر نظر رکھے ہوئے ہوتے ہیں اور اس آدمی کے ہر قول و فعل کو فوراً اعمال نامے میں لکھ لیتے ہیں، چوبیس گھنٹوں میں کوئی لمحہ آدمی ان کی نگرانی سے باہر نہیں ہوتا۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

---

۱ معجزات: معجزہ کی جمع لغوی معنی دوسرے کو عاجز کر دینے والی بات، اصطلاح میں نبی کے ہاتھ سے ظاہر ہونے والی ایسی علامت جو اس کی نبوت پر حجت ہو۔

۲ دراز گوئی: بہت بولنا۔ ۳ فحش گوئی: بے حیائی اور بُرائی۔

۴ لغو و لایعنی: فضول اور بے مقصد۔ ۵ احتراز: بچنا

وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۫ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۫ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ﴿۵۵﴾
(سورۃ القصص:۵۵)

(سمجھ دار لوگ) جب فضول اور نامعقول باتیں سنتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں، اور کہتے ہیں ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں اور تمہارے تمہارے لئے ہیں ہم تم کو سلام کہتے ہیں، جاہلوں سے الجھنا نہیں چاہتے۔

ان آیات کے علاوہ بیسیوں آیات ہیں جن میں زبان کے بے جا اور بے باک استعمال کے نتیجے میں صادر ہونے والے مہلک گناہوں کا ذکر کیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ اس قسم کی تمام آیات زیادہ بولنے کے مرض ہی کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

اس کے بعد اُن احادیث و آثار[۱] کو ذکر کیا جارہا ہے جس میں کثرتِ کلام کو بری عادت قرار دیا گیا اور اس کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے "جو شخص پیٹ، شرم گاہ اور زبان کے شر سے بچا لیا گیا وہ تمام شرور[۲] سے بچا لیا گیا" (شعب الایمان:5409) یعنی یہ تین اعضاء کی بے اعتدالیوں پر جس کو قابو نصیب ہو جائے وہ خوش نصیب آدمی ہے، اس لئے کہ اس کی برکت سے وہ سینکڑوں آفتوں اور ہلاکتوں سے محفوظ رہ سکے گا۔

بخاری شریف کی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بندوں کا قیل و قال یعنی بہت باتیں کرنا اور کثرۃ السؤال یعنی بہت سوالات کرنا اور مال کو ضائع کرنا اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسندیدہ ہے۔ (بخاری:1477)

ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ کیا ہم اپنی باتوں کے سلسلے میں بھی مؤاخذہ[۳] کیے جائیں گے؟ آپ نے فرمایا: "خدا تیرا بھلا کرے، لوگوں کو اوندھے منھ جہنم میں ڈلوانے والی چیزیں زبان کی کھیتی کے علاوہ اور کیا ہوتی ہیں" (ترمذی:2616) یعنی جہنم میں جانے کا زیادہ تر سبب وہ گناہ ہیں جن کا زبان سے تعلق ہوتا ہے۔

---

[۱] آثار: صحابہ و تابعین کی باتیں۔ [۲] شرور: شَر کی جمع ہے۔ [۳] مواخذہ: پوچھنا، پکڑ میں آنا

ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''جب صبح ہوتی ہے تو انسان کے جسم کے تمام اعضاء زبان کے آگے منت کرتے ہیں کہ تو ہمارے بارے میں اللہ سے ڈرتی رہ، اس لئے کہ اگر تو صحیح رہی تو ہم سب صحیح رہیں گے اور اگر تو بگڑ گئی تو ہم سب بگڑ جائیں گے'' (ترمذی: 2407) معلوم ہوا کہ جسم کے دیگر اعضاء کے گناہوں میں مبتلا ہونے کا سبب بھی اکثر زبان بنتی ہے، اسی لئے مارے خوف کے تمام اعضاء اس کے ہاتھ جوڑتے ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ''آدمی کے اکثر گناہ زبان سے سرزد[1] ہوتے ہیں'' (شعب الایمان: ۴/ ۲۴۰)

حضرت عمر ابن الخطابؓ فرماتے ہیں کہ ''جو بہت بولتا ہے وہ بہت غلطیاں کرتا ہے، جو بہت غلطیاں کرتا ہے اس سے کثرت سے گناہ سرزد ہوتے رہتے ہیں اور جو بہ کثرت گناہ کرتا ہے اس کے لئے جہنم ہی زیادہ مناسب ہے'' (فیض القدیر: ۶/ ۲۸۳)

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں ''اس ذات کی قسم جس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں قید میں رکھے جانے کے سب سے زیادہ قابل زبان کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں ہے''۔ اور فرماتے تھے ''میں تم لوگوں کو بہت بولنے سے منع کرتا ہوں آدمی کو چاہئے کہ بلاضرورت ہرگز نہ بولے''

حضرت طاؤس فرماتے تھے ''میری زبان درندے[2] کی طرح ہے، ذرا آزاد چھوڑ دوں تو مجھ ہی کو کاٹ کھائے''۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے تھے ''جو شخص اپنی زبان کی حفاظت نہیں کر سکتا وہ اپنے دین کی بھی حفاظت نہیں کر سکتا''۔

مذکورہ بالا آیات واحادیثِ شریفہ اور اکابر اسلام کی باتوں سے اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ بہت بولنا، بے ضرورت بولنا اور ضرورت پر بھی ضرورت سے زائد بولنا اسلام میں سخت ناپسندیدہ اور مذموم عمل ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس سے منع فرمایا

---

[1] سرزد ہونا: نکلنا۔ [2] درندے: چیر پھاڑنے والا جانور۔

اور ناراضگی کا اظہار کیا ہے، اس لئے مسلمانوں کو بالخصوص سالکینِ راہ طریقت کو اس رذیلے[1] سے بچنے کی بھرپور مشق کرنی چاہئے۔

(ب)

کم بولنے کے فوائد

اس کے مقابلے میں زیادہ خاموش رہنے کو ایک نیک اور پسندیدہ عمل قرار دیا گیا ہے، وہ اچھی صفت ہے اسے اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، خاموش رہنے کو عربی میں صمت اور سکوت کہتے ہیں۔ صمت کے معنیٰ ہیں باطل سے خاموش رہنا اور سکوت کے معنیٰ ہیں مطلقاً خاموش رہنا، یہاں جو فضائل بیان کئے جارہے ہین وہ صمت کے ہیں سکوت کے نہیں۔

حکیم لقمانؒ فرماتے ہیں کہ ''خاموش رہنا حکمت واحتیاط کی بات ہے مگر اس پر عمل کرنے والے بہت ہی کم ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ ''جو شخص مجھے اپنی زبان اور اپنی شرم گاہ کے تحفظ کی ضمانت دے تو میں اس کے لئے جنت کی ضمانت[2] دیتا ہوں'' (بخاری:6807)

ایک صحابیؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ میرے بارے میں سب سے زیادہ کس چیز کا خوف کرتے ہیں؟ آپ نے اپنی زبان مبارک کی طرف اشارہ کرکے فرمایا ''اس سے''

(ترمذی:2410)

ایک صحابیؓ نے آپ سے نجات کا راستہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا ''اپنی زبان قابو میں رکھو، زیادہ گھر میں رہا کرو اور اپنے گناہوں پر رویا کرو'' (مسند احمد: ۱۴۸/۴)

ایک موقع پر ارشاد فرمایا ''جو شخص چاہتا ہے کہ (آفات[3] و بلایا سے) محفوظ رہے تو اسے چاہئے کہ خاموشی کو اپنے اوپر لازم کرلے'' (فیض القدیر:8746)

ایک حدیث میں ہے کہ ''جس نے زبان کو قابو میں رکھا اللہ تعالیٰ اس کے عیوب کی

---

[1] رذیلہ: بُری عادت۔ [2] ضمانت: ذمہ داری۔ [3] آفات: آفت کی جمع ہے، مصیبت۔ بلایا: بلا کی جمع ہے مصیبت۔

پردہ پوشی فرماتے ہیں“ (الجامع لشعب الایمان:7959)

امام مالکؒ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا ”آدمی کے اسلام کا حُسن و جمال اور اس کی خوبی لایعنی (کام اور کلام) کا ترک کر دینا ہے“۔
(مؤطا:۲/ ۹۰۳)

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے کسی نے ایسا عمل دریافت کیا جس کے ذریعہ جنت میں داخل ہو سکے؟ تو جواب میں فرمایا ”باتیں بالکل بند کر دو“ اس نے کہا یہ کیسے ممکن ہے؟ فرمایا ”تو پھر اس کا اہتمام کر لو کہ بس بھلی اور خیر کی بات کے علاوہ کچھ نہ بولو“

سیدنا داؤد علیہ السلام فرماتے تھے ”اگر بولنا چاندی ہے تو چُپ رہنا سونا ہے“۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ لایعنی سے بچنے کے لئے منہ میں کنکریاں ڈال رکھتے تھے۔

حکیم لقمانؒ سے کسی نے پوچھا کہ آپ اتنے بڑے مرتبہ تک کیسے پہونچے؟ فرمایا ’سچ بولنے اور فضول باتوں سے بچنے کی برکت سے پہونچا ہوں“۔

زمخشریؒ فرماتے ہیں: ”خاموشی برائیوں کو چھپاتی ہے اور غصے سے روکتی ہے“۔

ابن قتیبہؒ فرماتے ہیں: ”اگر تم ادب آشنا ہو تو چُپ رہا کرو“۔

ابو عبیدؒ کہتے ہیں: ”خاموشی پر نادم ہونا بول کر نادم ہونے سے بہتر ہے“۔

ابوبکر خوارزمیؒ کہتے ہیں: ”جب تم سے نہ پوچھا جائے تو تم چُپ ہی رہو“۔

ابو ہلال عسکریؒ فرماتے ہیں: ”خاموشی محبتوں کا سبب ہے“۔

علامہ زمخشریؒ فرماتے ہیں: ”خاموشی عقل کی زینت اور جہالت کا پردہ ہے“۔

اور بھی بہت سی احادیث و اثار ہیں جن سے زیادہ خاموش رہنے کی فضیلت کا علم ہوتا ہے اور یہ پتہ چلتا ہے کہ یہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مزاج تھا اور یہی صحابہ کرامؓ کا بھی طریقہ تھا، لہٰذا جو بندہ بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا پیارا بننا چاہتا ہے اسے چاہئے لغو و لایعنی کلام یعنی فضول باتوں سے اپنے کو بچائے اور زیادہ خاموش رہنے کی عادت ڈالے، ضرورت پر بولے اور ضرورت بہ قدر ہی بولے۔ اللہ پاک توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

(ج)

بہت بولنے کے مرض کا علاج

۱۔ زیادہ بولنے کے نقصانات اور کم بولنے کے فوائد کا استحضار رکھنا۔

۲۔ زیادہ تر ذکر اللہ اور یادِ الٰہی میں مشغول رہنے کی عادت ڈال لینا۔

۳۔ صحبتِ صالحین کا اہتمام کرنا۔

۴۔ کراماً کاتبین یعنی اعمال و اقوال لکھنے والے فرشتوں کا تصور کرتے رہنا کہ ہر قول جب لکھا جا رہا ہے تو حساب بھی دینا ہوگا۔

۵۔ نفس کو آخرت کے مواخذے سے ڈراتے رہنا۔

۶۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کا اہتمام کرتے رہنا کہ وہ اس مرض سے نجات دے۔

۷۔ روزانہ سونے سے قبل دن بھر کی باتوں پر ایک نظر ڈال لینا، لغویات سے توبہ کرنا اور اگلے دن احتیاط کا عہد کرنا۔

برکات بکڈپو
Barakaath
Book Depot

17-1-391/2M/1, Khaja Bagh, Sayeedabad, Hyd. T.S.